ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

روزنامہ اسلام

599 اتوار 11 صفر 1435ھ مطابق 15 دسمبر 2013ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبول نہیں کی جائے گی

''یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اگر زمین میں جتنی چیزیں ہیں، وہ سب ان کے پاس ہوں، اور اتنی ہی اور بھی ہوں تا کہ وہ قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے وہ سب فدیے میں پیش کر دیں، تب بھی ان کی پیش کش قبول نہیں کی جائے گی اور انھیں دردناک عذاب ہوگا۔

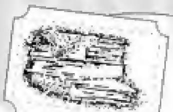

پسند کرنے لگے

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ درزی نے جو کی روٹی اور شوربا آپ کے قریب کیا۔ اس میں کدو اور خشک گوشت کے ٹکڑے تھے، میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ پیالے کے کناروں سے کدو تلاش کر کے نوش فرما رہے تھے۔ میں بھی اس روز کے بعد ہمیشہ کدو کو پسند کرنے لگا۔

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

یکم محرم کی صبح سے ہی موبائل پر پیغامات کا سلسلہ دھواں دھار انداز میں شروع ہوگیا... میں عام طور پر موبائل پیغامات رات کو پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں... یعنی جب سونے کے لیے لیٹ جاتا ہوں تو اس وقت یہ کام کر لیتا ہوں... ورنہ اگر تمام دن ہر مرتبہ موصول ہونے والا پیغام پڑھا جانے کا معمول بنا لیا جائے تو انسان سارے ہی کاموں سے رہ جائے اور بس یہ پیغامات ہی بیٹھا پڑھا کرے... لہٰذا اس کا یہی حل بہتر نظر آیا کہ ایک ہی بار ان پر نظر ڈال لی جائے... کیونکہ اکثر تو ایسے ہوتے ہیں... جن پر نظر ڈالنے کے لیے بھی وقت نہیں نکالا جا سکتا... عام طور پر میں جانے پہچانے لوگوں کے پیغامات پڑھ لیتا ہوں، باقی حضرات کے پیغامات پر سرسری نظر ہی ڈال پاتا ہوں... لیکن یکم محرم کی صبح صبح جو بارش شروع ہوئی تو سوچا، دیکھوں تو سہی... آج کیا خاص پیغامات آ رہے ہیں... ان میں زیادہ تر تو نئے سال کی مبارک کے آئے تھے... لیکن کچھ لوگوں نے یہ پیغام بھیجا تھا:

خونِ فاروق رضی اللہ عنہ میں ڈوبی ہوئی ہے محرم کی پہلی شام
میں کیسے کہوں تم کو نیا سال مبارک ہو

میں اس پیغام کو پڑھ کر حیران ہوا... بلکہ حیران سے زیادہ پریشان ہوا... میں نے سوچا، یہ کیا نئی بات ہوگئی... آج تک یکم محرم الحرام کو نیا سال مبارک کے ہی پیغامات ملا کرتے تھے... آج یہ کیا شروع ہوگیا کہ کیونکر کہوں نیا سال مبارک! فوراً محسوس کر لیا کہ یہ پیغام بھی ایک سازش ہے... اسلام کا دامن تو شہادتوں سے بھرا پڑا ہے... ہم تو شہدائے اسلام کو شمار ہی نہیں کر سکتے... پھر وہ شہدا کہاں جائیں گے... ان کے خون میں بھی تو شامیں ڈوبی ہوئی ہیں... اور کیا ہمارا دین ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے... کہ ہم کسی مبارک دن کو کسی کی شہادت کی بنیاد پر سوگ کا دن قرار دیں... اس طرح تو پھر دس محرم کے دن جو سوگ منایا جاتا ہے... اس کا جواز پیدا ہو جائے گا... اور ہم تو پھر سال کے 365 دن روزآنہ کسی نہ کسی کا سوگ ہی منایا کریں گے... لیکن اسلام نے تو سوگ کے صرف تین دن مقرر کیے ہیں... تین دن بعد تو دن کے سب کام کرنے کی اجازت دی ہے... تین دن بعد جب آپ شادی کر سکتے ہیں... اور بھی ہر کام کر سکتے ہیں تو پھر یکم محرم کو نئے سال کی مبارک باد کیوں نہیں دے سکتے... حیرت تو یہ ہے کچھ بہت ہی پڑھے لکھے اور خالص اسلامی ذہن کے حضرات نے بھی دیکھا دیکھی اس پیغام کو نشر کرنا شروع کر دیا... لیکن جب بعض مفتی صاحبان کے مبارک باد کے پیغامات آئے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا... اور سوچا، اس موضوع پر بھی دو باتیں ہو ہی جائیں... اسلام میں دن منانا تو ہے ہی نہیں... دن منانا ہوتا تو پھر سبھی کے دن منائے جاتے... ہم اپنے شہدا کا ذکر بھی خاص طور پر ان کی شہادتوں کے دنوں میں نہیں کریں گے... بلکہ جب بھی، جہاں بھی ضرورت محسوس ہو، ذکر کیا جائے گا... یہ نہیں کہ بس اس کام کے لیے ایک دن مقرر کر لیا جائے... یہ تو عیسائیت ہے... اور ہمیں تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی مشابہت سے روکا ہے... کیا خیال ہے اب آپ کا اس مسئلے میں؟

والسلام

سالانہ زرِ تعاون اندرون ملک : 600 روپے، بیرون ملک : 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ

"بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی : www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com

ایک عجیب واقعہ

خولہ بنتِ قاری محمد شفیق پانی پتی۔ جھنگ صدر

یہ غالباً 55ء یا 54ء کا سال تھا۔ جب حضرت مولانا فضل الٰہی ساہیوال کے جامعہ حقانیہ تشریف لائے اور بعد از نمازِ عشاء تقریر فرمائی۔ دورانِ تقریر بڑا ہی دلچسپ واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ ایک آدمی تھا، بہت بھولا بھالا اور بے روزگار تھا۔ گھر میں بیوی موجود تھی مگر بے روزگاری کی وجہ سے اکثر میاں سے جھگڑتی رہتی تھی۔ ایک دن تنگ آکر میاں دریا کنارے جا بیٹھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد دو بزرگ یا دو فرشتے سفید لباس میں ملبوس وہاں آئے اور اس بے روزگار شخص سے ملے، سلام، دعا کے بعد اس سے حال احوال پوچھا تو اس نے غربت و افلاس کا ذکر کیا۔ دونوں بزرگوں میں سے ایک نے اسے ایک لعل دیا اور فرمایا کہ یہ بہت قیمتی لعل ہے۔ کسی جوہری کے ہاں فروخت کرو گے تو تمھیں اچھی خاصی رقم ملے گی، جس سے تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ وہ شخص لعل کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور دل میں سوچا کہ اب تو میں ایک امیر آدمی ہوں۔ لہٰذا گھر جانے سے پہلے نہا لوں، چنانچہ کپڑے اتارے اور دریا کے کنارے رکھ دیے۔ لعل کو کپڑوں کے اوپر رکھا، تاکہ نہاتا بھی رہوں اور لعل کو دیکھتا بھی رہوں۔ دریا میں داخل ہو کر اس نے ایک دو غوطے لگائے اور جلدی سے باہر آیا تو دیکھا کہ اس کا لعل کپڑوں میں موجود نہیں۔ کپڑوں کو جھاڑا، ریت میں تلاش کیا، بہت ڈھونڈا مگر لعل نہ ملا اور خالی ہاتھ گھر لوٹا۔ بیوی نے پوچھا، آج تو کافی دیر بعد واپس آئے ہو؟ کیا کما کر لائے ہو؟ میاں نے بیوی کو ساری بات بتلائی تو بیوی بھی افسردہ ہوئی اور کہنے لگی کہ ہماری ایسی قسمت کہاں؟ دوسرے دن وہ شخص دوبارہ دریا کنارے جا بیٹھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ دونوں بزرگ پھر تشریف لائے۔ سلام دعا کے بعد حال احوال پوچھا تو اس شخص نے کل والی پوری بات سنا دی۔ بزرگوں میں سے دوسرے بزرگ نے ہیرے جواہرات کا ایک ہار دیا اور کہا کہ یہ بہت قیمتی ہے، اسے فروخت کرو گے تو مالا مال ہو جاؤ گے۔ آج تمہیں نہانے کی ضرورت نہیں۔ ہار لے کر سیدھے گھر جاؤ۔ بے روزگار شخص ہار دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور ہار کو احتیاط کے ساتھ لے کر خوشی خوشی گھر میں آیا مگر آج بیوی گھر پر موجود نہیں تھی۔

اس شخص نے سوچا کہ ہار کو میرے ہاتھ میں دیکھ کر لوگ پوچھیں گے کہ یہ ہار کہاں سے لائے، ہو سکتا ہے، مجھ پر چوری کا الزام بھی لگا دیں، چنانچہ ہار کو اس نے صحن کی کھونٹی پر لٹکا دیا اور بیوی کو محلے میں تلاش کرنے نکلا۔ دوسرے یا تیسرے گھر سے بیوی مل گئی۔ اسے ساتھ لیا۔ بیوی نے راستے میں پوچھا کہ آج کیا لائے ہو تو اس نے کہا گھر میں تو آؤ، گھر میں آتے ہی اس نے کھونٹی کی طرف اشارہ کیا مگر کھونٹی پر کچھ بھی نہ تھا۔ اس شخص نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا کہ ہماری قسمت، آج تو ہیرے کا ہار لایا تھا مگر اب غائب ہے۔ بیوی نے کہا، یہ کیا مصیبت ہے۔ ایک تو تم کما کر نہیں لاتے ہو، اوپر سے اب جھوٹ بھی بولنا شروع کر دیا ہے۔ میاں چپ ہو گیا اور اگلے روز پھر اسی دریا کنارے جا بیٹھا۔ دونوں بزرگ اس روز بھی آئے۔ سلام، دعا کے بعد حال، احوال پوچھا تو بے روزگار شخص نے پورا حال سنایا۔ آج پھر بزرگ نے جیب سے ایک ڈبیہ نکالی اور کہا احتیاط سے لے جانا، یہ بھی لاکھوں میں فروخت ہونے والی چیز ہے۔ کسی جوہری کو دے کر اپنی زندگی سنوار و۔ اس نے ڈبیہ کو دھوتی کے پلو میں باندھا اور ہاتھ سے پکڑے پکڑے گھر پہنچا مگر بدقسمتی سے آج بھی بیوی گھر پہ موجود نہیں تھی، اب اس نے سوچا کہ گلی، بازار میں جاؤں گا، لوگ دھوتی کے پلو میں ابھرتے ہوئے ابھار کو دیکھ کر پوچھیں گے کہ یہ کیا چھپا رکھا ہے، چولہے کے قریب آٹا گوندھنے کا برتن یعنی سانک یا کنالی الٹی رکھی تھی، اس نے چپکے سے ڈبیہ اس کے نیچے چھپا دی اور بیوی کو تلاش کرنے نکلا۔ تھوڑی ہی دیر میں بیوی مل گئی۔ اس نے کہا، چلو جلدی سے گھر چلو، ایسا نہ ہو کہ آج بھی ہمارا قیمتی مال غائب ہو جائے۔ گھر آتے ہی انھوں نے الٹی ہوئی کنالی کو سیدھا کیا مگر ڈبیا موجود نہیں تھی۔ آج تو بیوی نے بہت کوسا اور برا بھلا کہا کہ یہ کیا مذاق بنا رکھا ہے روز آتے ہو اور ایک نیا جھوٹ گھڑ کے سنا دیتے ہو، میاں شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اگلے روز پھر اسی دریا کنارے پہنچ گیا۔ وہ دونوں بزرگ اس روز بھی تشریف لائے اور سلام دعا کے بعد حال احوال پوچھا۔ حال سننے کے بعد دونوں بزرگ پریشان ہو گئے اور کہا کہ تمہاری قسمت ہی ایسی ہے، اب بتلاؤ ہم کیا کریں، پھر بھی ایک بزرگ نے جیب سے ایک روپیہ نکالا اور کہا کہ اب ہمارے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں۔ یہ ایک روپیہ ہے، اسے لے جاؤ اور کم از کم آج کا کھانا پینا تو کرو، آج وہ شخص گھر جانے کی بجائے سیدھا بازار گیا۔ کچھ پیسوں کا آٹا اور گھی وغیرہ خریدا اور جو پیسے بچے ان کی ایک مچھلی خرید لی اور یہ سامان لے کر گھر آیا۔ بیوی انتظار کر رہی تھی۔ ہاتھ میں سامان دیکھ کر خوش ہوئی اور کہنے لگی، چلو شکر ہے، آج کچھ لے کر تو آئے۔ اس نے کہا، میں کھانے کا انتظام کرتی ہوں، تم لکڑی کا بندوبست کرو، کیونکہ گھر میں لکڑی بھی نہیں ہے۔ اس نے سوچا، اب باہر جنگل میں لکڑی لینے جاؤں گا، تو بہت دیر ہو جائے گی۔ گھر کے صحن میں جو یہ درخت کھڑا ہے، اس پر سے کچھ سوکھی لکڑیاں توڑ لیتا ہوں، چنانچہ وہ درخت پر چڑھا، چڑھتے ہی اس کی نظر چیل کے ایک گھونسلے پر پڑی اس میں ہیرے کا وہ ہار پڑا تھا۔ وہ بے حد خوش ہوا اور زور زور سے چلانے لگا۔ مل گیا مل گیا، یہ شور سن کر پڑوس کی بڑھیا دوڑی آئی اور کہنے لگی، شور مچانے کی ضرورت نہیں، کل میں تمہارے گھر آئی تھی، تمہارے چولہے کے پاس سانک الٹی پڑی تھی۔ میں نے دل میں سوچا، ان کے پاس کھانے کو کچھ ہے نہیں، یہ سانک کیسے پڑی ہے جب میں نے سانک اٹھا کر دیکھی تو اس کے نیچے ڈبیا پڑی تھی۔ اسے میں اٹھا کر لے گئی تھی۔ یہ لو اور شور مت مچاؤ۔ اتنے میں بیوی نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس کے پیٹ سے وہ لعل بھی نکل آیا جو پہلے روز گم ہوا تھا۔

یہ واقعہ سنا کر مولانا نے فرمایا کہ جب تک اللہ نے نہ چاہا کسی کے دینے سے بات نہ بنی اور جب اللہ نے چاہا تو دیکھتے ہی دیکھتے سب چیزیں ایک ہی لمحے میں مل گئیں۔ (از۔ واقعات وارشادات)

مرزائیوں کو شاہ فہد کا جواب

سوئٹزر لینڈ میں قائم قادیانیوں کی تنظیم نے ایک خط کے ذریعے شاہ فہد سمیت سعودی عرب کے چند اعلیٰ حکام سے درخواست کی کہ ان کے مذہب کے راہنما کو سرکاری مہمان کی حیثیت سے سعودی عرب آنے کی دعوت دی جائے۔ جب یہ درخواست شاہ فہد کے پاس گئی تو انھوں نے جواب دیا:

"آپ مرزا قادیانی ملعون کا طوق غلامی اتار کر مسلمان بن کر آئیں تو دل و جان سے مہمان نوازی کریں گے۔ مرزا قادیانی کا طوق غلامی پہن کر آنا چاہتے ہو تو یاد رکھو یہ سرزمین حجاز ہے، جو کچھ ہمارے پیشرو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب اور اس کی پارٹی کا حشر کیا تھا، وہی حشر ہم تمہارا کریں گے۔"

اس جواب پر مرزائیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

عبداللہ فارانی

89

واقعات صحابہ کے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ کچھ لوگ فلاں جگہ جمع ہیں اور وہ آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل بتا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا۔ آپ نے آدمی بھیج کر ان سب کو بلا لیا۔ جب وہ آ گئے تو ان سے فرمایا:

”اے بدترین لوگو! اے قبیلے کے شریرو! اے پاک دامن عورت کو بگاڑنے والو۔“

انھوں نے حیران ہو کر کہا:

”اے امیر المومنین! آپ ہمیں ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ ہم سے کیا غلطی ہو گئی ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پھر وہی الفاظ کہے اور ایک بار پھر کہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

”تم لوگوں نے مجھ میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں کیوں فرق ڈالا اور مجھے ان سے بہتر کیوں بتایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری دلی تمنا ہے کہ مجھے جنت میں ایسی جگہ ملے جہاں سے مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نظر آتے رہیں۔ اس امت کے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ لہٰذا میری اس بات کے بعد جو بھی کوئی اور بات کہے گا، وہ بہتان باندھنے والا شمار ہوگا اور اسے بہتان باندھنے کی سزا ملے گی۔“

O

ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

”اے امیر المومنین! کیا بات ہے، مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا، حالانکہ آپ ان سے زیادہ فضائل والے ہیں اور ان سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور آپ کو بڑی سبقت حاصل ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

”اگر تو قبیلہ قریش کا ہے تو میرے خیال میں تو قریش کے قبیلے کی شاخ عائذہ کا ہے۔“

اس نے کہا:

”جی ہاں! آپ کا اندازہ درست ہے۔“

اب آپ نے فرمایا:

”اگر مومن اللہ کی پناہ میں نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور قتل کر دیتا اور اگر تو زندہ رہا تو میں تجھے اس قدر ڈراؤں گا... کہ تجھے اس سے بچ نکلنے کا راستہ نہیں ملے گا... تیرا ناس ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چار صفات کی وجہ سے مجھ پر فضیلت حاصل ہے... ایک یہ کہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں امام بنایا گیا... دوسرا یہ کہ انھوں نے مجھ سے پہلے ہجرت کی... اور تیسری یہ کہ ہجرت کے موقعے پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھے اور چوتھی یہ کہ انھوں نے مجھ سے پہلے اپنے اسلام کو ظاہر کیا تھا... تیرا ناس ہو! اللہ تعالیٰ کے قرآن میں تمام لوگوں کی مذمت کی گئی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اگر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا جب آپ کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا جب کہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت دونوں غار میں تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے، غم نہ کر! یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“

O

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ان کی خدمت میں ایک گھوڑا پیش کیا گیا۔ اس وقت ایک آدمی نے کہا:

”یہ گھوڑا مجھے سواری کے لیے دے دیں۔“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میں یہ گھوڑا ایک ایسے لڑکے کو سواری کے لیے دے دوں جسے ناتجربہ کاری کے باوجود گھوڑوں پر سوار کیا گیا ہو، یہ مجھے تمھیں دینے سے زیادہ پسند ہے۔“

آپ کی بات سن کر اسے غصہ آ گیا۔ اس نے کہا:

قدم بہ قدم

ایک طرف ٹیکنالوجی تو دوسری طرف ایمان تھا دونوں قوتیں فتح کی دعویدار ہیں

فاتح کون؟

2001ء سے 2013ء تک افغانستان میں کیا کچھ ہوتا رہا؟ مکمل تفصیل، اعداد و شمار کے ساتھ

افغانستان کے معرکۂ حق و باطل پر تہلکہ خیز کتاب

- دیدہ زیب ٹائٹل، بائبل کاغذ، عمدہ طباعت
- حامد میر، عطاء الحق قاسمی اور جاوید چودھری کے تاثرات

کل قیمت: ~~600~~ روپے۔ رعایتی قیمت: 330 روپے

472 صفحات۔ 185 رنگین تصاویر۔ 25 نقشے، گراف، تاریخی تراشے اور دیگر خاکے

ملنے کے پتے

- ادارہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ روڈ، ملتان 0300-7301239
- ممتاز کتب خانہ، صحافی بازار، دکان نمبر 16، اردو بازار، پشاور 0314-9696344,091-2580331
- قاسمی تحفہ، بہاولپور 0333-6367755,0622731947
- قرآن محل، راولپنڈی 0321-5123698
- مکتبہ نقوش اسلامی، مسلم سینٹر مظفر گڑھ روڈ، اردو بازار، لاہور 0321-4538727
- اسلامی کتاب گھر، دکان نمبر 4، شادمان پلازہ، چنیوٹ بازار، فیصل آباد 0321-7693142
- مکتبہ عبداللہ، سرگودھا 0321-601817
- دراکی اسٹور، ملکیار، ہری پور 03018145854
- مکتبہ ریاض، مری ہائی وے، تقی آبادی اسٹاپ، اسلام آباد 0334-5652830
- مکتبہ توحید و سنت، بالمقابل مدرسہ تعلیم القرآن، فتح جنگ، اٹک 0302-5475447
- مکتبۃ الامہ، حقب لیمو صادق آباد بازار، رحیم یار خان 0321-2647131
- مکتبہ تالیفات رشیدیہ، نزد جامعہ الرشید، احسن آباد، کراچی 0302-2228462

الحجاز کراچی
0314-2139797

الحجاز پبلشرز، کراچی

اسٹاکسٹ: مکتبۃ الخلیج، دکان نمبر 11، اسلام مارکیٹ، نزد جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون: 0332-2139797، 0314-2139797

چھت کی آرزو

عشرت جہاں ۔لاہور

جنازہ بالکل تیار تھا۔ خواتین گھر کے بڑے ہال کمرے میں جمع تھیں اور مرد حضرات کے لیے باہر ٹینٹ لگایا گیا تھا۔ ہلکی ہلکی سرگوشیاں جاری تھیں۔ پرانے محلے والے، نئے محلے والوں کو صورتِ حال سے آگاہ کر رہے تھے۔ کس طرح باقر صاحب نے موٹا جھوٹا پہنا، تنگی ترشی دیکھی مگر بچوں کو پڑھایا لکھایا۔ کرایے کے مکانوں میں زندگی کا تمام حصہ گزارا۔ آخر میں صرف ایک ہی آرزو اپنے لیے باقی رہ گئی تھی۔ اپنے ذاتی گھر کی خواہش۔ اپنی چھت کی آرزو، تمنا، تمام زندگی اسی آرزو کی دل کے ایک کونے میں پرورش کرتے رہے۔ پروان چڑھاتے رہے۔ کسی کو کیا پتا تھا کہ دل ہی دغا دے جائے گا۔

کسی نے ہلکے سے کہا:

''بس جی قسمت ہاتھ کر گئی۔''

''اوہ ہو۔'' سن کر کسی نے لمبی آہ بھری۔

آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، کبھی تو اچھے دن آئیں گے۔ یہی سوچ کر اپنی خواہشات کو تھپکیاں دیتے رہے۔ دونوں بیٹے انجینئر بن چکے تھے۔ زمین کا ٹکڑا خریدا گیا۔ شان دار اور آرام دہ گھر کے لیے نقشہ بنوایا گیا۔ باقر صاحب کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ نیا جوش، نئی امنگ پھوٹ پڑی تھی۔ گھر کے لیے ہر ہر چیز کی چھان پھٹک کر خریداری کی گئی۔ فرش کا ماربل ایسا ہونا چاہیے، ڈرائنگ روم کے پردے، اس رنگ میں ہوں گے، بیڈروم کی کھڑکی بائیں باغ کی طرف کھلے گی۔ دروازوں کے ہینڈل اور کھڑکیوں کے شیشوں پر بھی بحث چلتی رہی۔ بیگم اور بچے ان کی معلومات پر حیران بھی تھے اور خوش بھی۔ وہ خود اپنی نگرانی میں سب کام کروا رہے تھے۔ آخر وہ دن بھی آیا کہ ان کے خواب کو تعبیر مل گئی۔ ان کا گھر مکمل ہو چکا تھا۔ مگر وائے افسوس! ایک رات بھی انھیں اس گھر میں گزارنا نصیب نہ ہوا۔ دنیا جائے عبرت ہے۔ ہر ہر قدم پر عبرت کا سامان موجود ہے۔ بس دیکھنے والی آنکھ چاہیے۔ گھر کے در و دیوار سے ابھی تک نئے پینٹ کی بو ختم نہیں ہوئی تھی۔ جنازہ اٹھا لیا گیا تھا، یوں گویا ان کا اب کسی سے تعلق واسطہ ہی نہ رہا۔ بیوی بچے تڑپتے رہ گئے۔ پھول کا کھلنا، کھل کر بکھر جانا، پتی پتی ہو جانا اور پھر خاک میں مل جانا، کسی شے کو دوام نہیں۔ بس دوام ہے تو اس ذاتِ برحق کو۔

''میں آپ سے بھی اور آپ کے باپ سے بھی زیادہ عمدہ گھوڑے سوار ہوں۔''

اس شخص نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی شان میں گستاخی کی تو وہاں موجود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر اس کا سر پکڑا اور ناک کے بال گھسیٹا۔ اس سے اس کے ناک سے خون اس طرح بہنے لگا جیسے کسی بڑے مشکیزے کا منہ نکل گیا ہو۔

وہ شخص انصاری تھا۔ انصار نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بدلہ لینا چاہا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتا چلا تو فرمایا:

''یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں انھیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بدلہ دلواؤں گا... میں انھیں ان کے گھروں سے نکال دوں، مجھے یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں انھیں ایسے لوگوں کو بدلہ دلواؤں جو اللہ کے لیے اللہ کے بندوں کو برائیوں سے روکتے ہیں۔''

O

ایک شخص نے اپنی لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو فرمایا:

''اپنی لنگی اوپر کر لو۔''

اس شخص نے دیکھا کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی لنگی بھی ٹخنوں سے نیچی تھی، چنانچہ اس نے کہا:

''آپ بھی اپنی لنگی اوپر کر لیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''میں تم جیسا نہیں ہوں... میری پنڈلیاں پتلی ہیں اور میں لوگوں کا امام بنتا ہوں (یعنی میں لنگی نیچی کر کے اپنی پنڈلیوں کو چھپاتا ہوں، تاکہ ان سے دل میں نفرت پیدا نہ ہو۔''

یہ بات کسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آدمی کو مارنے لگے اور فرمانے لگے:

''تم ابن مسعود کی بات کا جواب دیتے ہو۔''

O

ایک شخص نے کسی بات پر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا کی مخالفت پر قسم کھالی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اس شخص کو تیس کوڑے لگوائے، یہاں تک کہ اس کی کھال پھٹ گئی اور کمر سوج گئی۔

O

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ عبداللہ ابنِ سبا انھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا:

''کیا آپ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں جو آپ کی تعظیم کرتا ہے اور آپ کو دوسروں سے افضل قرار دیتا ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''اسے اتنی سزا تو ضروری ہے کہ جس شہر میں رہتا ہو، وہ اس میں نہیں رہ سکتا۔''

چنانچہ آپ نے اسے ملک بدر کر کے شام بھیج دیا۔

O

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا:

''آپ تمام انسانوں سے بہتر ہیں۔''

آپ نے اس سے فرمایا:

''کیا تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟''

اس نے کہا: ''نہیں۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

''کیا تو نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔''

اس نے کہا: ''نہیں!''

اب آپ نے اس سے فرمایا:

''اگر تم یہ کہتے کہ ہاں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو میں تمہیں قتل کر دیتا اور اگر تم یہ کہتے کہ ہاں میں نے ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنھما کو دیکھا ہے تو میں تم پر حد شرعی جاری کر دیتا (کیونکہ تم نے جو کہا ہے، بہتان ہے، میں تمہیں بہتان باندھنے کی سزا دیتا) (جاری ہے)

تصویر کی دھمکی

15

اشتیاق احمد

چند لمحوں کے لیے وہ رک گئے ... سب پر ایک نظر ڈالی اور پھر مسکراتے ہوئے بولے:

''آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں یہ کہانی کیوں کر سنا رہا ہوں ... مجھے حالات کا علم کس طرح ہے؟ تو اس بات کا جواب بھی میں آپ کو دوں گا ... سراغ رسانی کے پیشے میں اندازوں سے بہت کام لیا جاتا ہے ... واقعات کو دیکھا جاتا ہے اور ان کی بنیاد پر اندازے قائم کیے جاتے ہیں، پھر جب ہم دو اور دو کو جمع کرتے ہیں تو چار صاف نظر آتے ہیں ... خیر، یہ وضاحت بعد میں کروں گا کہ میں یہ تمام نتائج برآمد کرنے میں کس طرح کامیاب ہوا ہوں ... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے ملک کا جاسوس زخمی حالت میں سردار ہارون کے گھر تک پہنچ گیا ... رات کا وقت تھا ... اتفاق سے اس وقت صرف سردار ہارون جاگ رہے تھے ... انھوں نے آہٹ سنی تو برآمدے میں نکل آئے ... ان کی نظر ایک زخمی پر پڑی جو بے ہوش ہو کر گرنے کے قریب تھا ... انھوں نے اُسے سہارا دیا اور ایک الگ تھلگ کمرے میں لے آئے ... زخمی جاسوس نے تصویروں والا لفافہ ان کے حوالے کیا، اپنے بارے میں سب کچھ بتایا اور یہ درخواست کی کہ لفافہ سرکاری حکام تک پہنچا دیا جائے اور اُسے کسی ہسپتال تک، لیکن ابھی سردار ہارون زخمی کو ہسپتال لے جانے پر غور کر ہی رہے تھے کہ اس نے دم توڑ دیا ... اس نے لفافہ دیتے وقت سردار ہارون سے یہ بھی کہا تھا کہ لفافہ سرکاری حکام تک پہنچانے میں جلدی کی جائے، کیونکہ دشمن کے جاسوس اس کے تعاقب میں ہیں اور وہ لفافہ حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے لیے بڑی سے بڑی رقم کی پیش کش بھی کر سکتے ہیں ... زخمی کے مرنے کے بعد اس کے یہ الفاظ سردار ہارون کے ذہن میں گونجنے لگے اور پھر ایک نیا خیال ان کے ذہن میں پیدا ہوا، انھوں نے سوچا، زخمی تو مر ہی گیا ہے، کیوں نہ اسے خاموشی سے دفن کر دیا جائے اور لفافہ اپنے قبضے میں رکھا جائے ... دیکھیں تو سہی، دشمن ملک کے جاسوس لفافے کی کیا قیمت لگاتے ہیں ... تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد انھوں نے یہی کرنے کا فیصلہ کر لیا ... ابھی تک گھر کے کسی آدمی نے زخمی یا اس کی لاش کو نہیں دیکھا تھا ... وہ تو سب سو رہے تھے ... سردار ہارون اپنے باغ میں گئے ... مالی نے باغ کی زمین ابھی ایک دو دن پہلے ہی نرم کی تھی ... چنانچہ انھوں نے پھاوڑے کی مدد سے ایک گہرا گڑھا کھودا اور لاش کو اس میں ڈال کر دفن کر دیا، پھر زخمی کی آمد سے پیدا ہونے والے تمام نشانات کو صاف کر دیا ... یہی نہیں، انھوں نے گھر سے نکل کر بھی دیکھا کہ کہیں خون کے دھبے تو باہر موجود نہیں ... انھیں آس پاس کوئی دھبہ دکھائی نہ دیا، چنانچہ وہ بے فکر ہو گئے ... تصویروں والا لفافہ انھوں نے کہیں چھپا دیا ... دوسرے دن انھوں نے تجوریاں بنانے والی ایک فرم کو ایک خصوصی تجوری بنانے کا آرڈر دیا، جس کے ذریعے چور کو پکڑنے کا انتظام بھی ہو، چنانچہ فرم نے ایسی تجوری تیار کر دی ... آپ اس تجوری کو دیکھ ہی رہے ہیں ... اس میں بھی انھوں نے یہ احتیاط کی کہ لفافہ عام جگہ پر نہیں رکھا، ایک خفیہ جگہ رکھا ...

ادھر ہمارے حکام کو یہ اطلاع مل گئی کہ ہمارے جاسوس نے سرحد پار کر لی ہے، تاہم وہ زخمی ہو گیا ہے، کیونکہ سرحد کے آس پاس انھیں خون کے دھبے مل گئے تھے ... سراغ لگانے والے ان خون کے دھبوں کے ذریعے شہری حدود کی طرف بڑھے، لیکن پھر دھبوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ... تلاش کا دائرہ وسیع کر دیا گیا ... یہاں تک کہ بے شمار گھروں کی تلاشی بھی لی گئی، لیکن زخمی جاسوس کا کوئی سراغ نہ ملا ... ادھر ہمارے ملک میں موجود دشمن جاسوسوں نے اپنے ملک میں یہ خبر بھیجی کہ زخمی جاسوس کو ابھی تک تلاش نہیں کیا جا سکا اور نہ لفافہ ان تک پہنچا ہے ... یہ خبر ان کے لیے حوصلہ افزا تھی ... انھوں نے اپنے جاسوسوں کو ہدایات دیں کہ پورے قصبے میں اس جاسوس کی تلاش جاری رکھی جائے ... ہو سکتا ہے، وہ کسی گھر میں مر گیا ہو اور لفافہ کسی لالچی آدمی نے چھپا لیا ہو ... ایسا آدمی ان کے کام کا ثابت ہو سکتا ہے ... دشمن جاسوسوں نے بھی قصبے میں کام شروع کر دیا ... ادھر ہمارے جاسوس بھی لفافے کا پتا چلانے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے ... اس طرح بہت دن گزر گئے ... آخر دشمن ملک نے اپنا ایک خاص آدمی بھیجا جو اس لفافے کا سراغ لگائے اور اسے ہر طرح حاصل کرنے کی کوشش کرے ... اس جاسوس نے ہمارے ملک میں آ کر کام شروع کیا ... ہمارے جاسوسوں نے اس کی آمد کی خبر بھیج دی، چنانچہ نگرانی کا کام بھی شروع کر دیا گیا، لیکن پھر ایک دن وہ جاسوس نظروں سے اوجھل ہو گیا ... اس موڑ پر آ کر ہمارے جاسوس پریشان ہو گئے، کیونکہ اس کا غائب ہونا خطرناک تھا ... انھوں نے افسرانِ بالا سے بات کی اور افسرانِ بالا نے مجھے بلا بھیجا ... یہی وہ وقت تھا جب میں اس معاملے میں شامل ہوا ... میں نے تمام حالات کا جائزہ لیا اور پھر قصبہ بلوشاں کی جیل سے ایک قیدی کو رہا کر دینے کی ہدایات جاری کیں ... اس قیدی کے رہا ہونے کی خبر بھی اخبار میں شائع کرائی تھی ... خبر میں یہ بھی لکھا گیا کہ وہ ایک مشہور قفل شکن ہے ... رہا کرنے سے پہلے اسے ساری بات اچھی طرح سمجھا دی گئی کہ اُسے کہاں کہاں اُٹھنا بیٹھنا ہے اور یہ کہ کس قسم کا ایک شخص اس سے تصویروں کا ایک لفافہ چوری کرانے کا کام لے گا ... یعنی اس بات کی امید کی جاتی ہے ... پہلا رابطہ قائم ہوتے ہی وہ مجھے فون کرے اور اس سے دوبارہ ملاقات کا وقت مقرر کرے، چنانچہ ایسا ہی ہوا ... گھوش ہوٹل گرین روز میں بیٹھا تھا کہ شابو نامی آدمی اُسے آ کر ملا اور تصویروں کے لفافے کی چوری کی بات چیت کی ... اس نے غور کرنے کے بہانے دوسری ملاقات مقرر کی اور مجھے فون کر دیا ... میں نے فوراً اپنے دونوں لڑکوں کو میک اپ میں یہاں بھیج دیا ... انھیں ہوٹل گرین روز میں ٹھہرنے کی ہدایت کی، کیونکہ دوسری ملاقات بھی یہیں ہونا تھی ... پھر گھوش کو فون کیا کہ دو لڑکے ہال میں موجود ملیں گے ... میں نے ان دونوں کا میک اپ بھی آوارہ ٹائپ لڑکوں کا کیا تھا ... ایسے لڑکے عام طور پر جیب کترے یا قفل شکن ہوتے ہیں ... گھوش کو یہ بات سمجھا دی گئی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کام سے انکار کر دے ... ملاقات لڑکوں کی میز پر کی جائے ... اب یہ ایک اتفاق ہے کہ شابو عرف عابد رئیسانی نے خود ہی آصف اور آفتاب والی میز منتخب کی، کیونکہ اس وقت کوئی اور میز خالی نہیں تھی اور پھر پروگرام کے مطابق ہی کام ہو گیا ... گھوش سودے کو ٹھکرا کر چلا گیا ... اور ان دونوں نے یہ کام کرنا منظور کر لیا ... میں ان کی فطرت سے واقف ہوں، اس لیے پہلے سے کچھ نہیں بتایا تھا کہ کہیں ایکٹنگ کا شبہ نہ ہو جائے ... شابو نے انھیں کلوروفارم کے بہانے زہر کی شیشی دے دی ... یہ زہر وہ اپنے ساتھ لایا تھا ... اس کی حکومت نے اسے خاص طور پر دیا ہو گا ... مطلب یہ تھا کہ سردار ہارون اور ان کی بیگم مر جائیں

میرا کراچی

میرے پیارے شہر کا نام کراچی ہے۔ یہ آبادی کے لحاظ سے دنیا کا پانچواں اور پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ کراچی کی آبادی تقریباً پونے دو کروڑ ہے۔ پاکستان کا پہلا دارالحکومت اسی شہر کو بنایا گیا تھا۔

بابائے قوم، قائداعظم محمد علی جناح بھی کراچی کے علاقے کھارادر میں پیدا ہوئے تھے اور ان کا مزار بھی کراچی شہر کے وسط میں واقع ہے۔

پاکستان کی سب سے اونچی عمارت "حبیب بینک پلازہ" بھی کراچی میں واقع ہے۔ ایشیا کا سب سے بڑا پارک "بن قاسم پارک" بھی کراچی میں واقع ہے۔

کراچی شہر کو اٹھارہ ٹاؤنز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ اٹھارہ ٹاؤنز یہ ہیں:

(1) ملیر ٹاؤن (2) لانڈھی ٹاؤن (3) اورنگی ٹاؤن (4) کورنگی ٹاؤن (5) شاہ فیصل ٹاؤن (6) صدر ٹاؤن (7) جمشید ٹاؤن (8) کیماڑی ٹاؤن (9) گلشن اقبال ٹاؤن (10) بن قاسم ٹاؤن (11) لیاری ٹاؤن (12) لیاقت آباد ٹاؤن (13) سائٹ ٹاؤن (14) گڈاپ ٹاؤن (15) بلدیہ ٹاؤن (16) گلبرگ ٹاؤن (17) نیو کراچی ٹاؤن (18) ناظم آباد ٹاؤن۔

کراچی کے مصروف ترین علاقوں میں صدر کا علاقہ سرِفہرست ہے، 150 سالہ پرانا تاریخی بازار "ایمپریس مارکیٹ" بھی صدر میں واقع ہے۔ یہاں دنیا کی ہر چیز مل سکتی ہے۔ پاکستان کی تین بندرگاہوں میں سے دو پورٹ قاسم اور کیماڑی کراچی میں ہیں۔ پاکستان کا مرکزی بینک "بینک دولتِ پاکستان" بھی کراچی میں واقع ہے۔ کراچی کو پاکستان کا دل بھی کہا جاتا ہے۔

کراچی ایک ساحلی علاقہ ہے۔ سمندر کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا معتدل رہتی ہے۔

کراچی کے تفریحی مقامات میں چڑیا گھر "گاندھی گارڈن" گلشن اقبال کا سفاری پارک اور ایئر بیس "PNS مہران" کے ساتھ PAF میوزیم سرِفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ کراچی کے ساحل پر بنے پکنک پوائنٹ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: (1) کلفٹن (2) پیرا ڈائز (3) سی وی او (4) ہاکس بے

صدر کے علاقے میں واقع جلو کے مشہور ہسپتال "اسکن ہاسپٹل" کو پاکستان کے مشہور ہسپتالوں میں شمار کیا جاتا ہے، کراچی کے مشہور ہسپتالوں میں "جناح ہسپتال"، "لیاقت نیشنل ہسپتال"، "سول ہسپتال" اور "آغا خان یونیورسٹی ہسپتال" سرِفہرست ہیں جب کہ پاکستان کی مشہور "کراچی یونیورسٹی" بھی کراچی میں ہے۔ کراچی ایک ترقی یافتہ شہر ہے۔

کراچی کی مشہور شاہراہوں میں "ایم اے جناح روڈ، یونیورسٹی روڈ" اور "پرنس روڈ" سرِفہرست ہیں، حکومت نے تحریکِ پاکستان کے جن رہنماؤں کے ناموں پر سڑکوں کے نام رکھے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: (1) ایم اے جناح روڈ (2) عبداللہ ہارون روڈ (3) ایم ایم عالم روڈ (4) شاہراہ فیصل۔

کراچی سندھ کا صوبائی دارالحکومت بھی ہے اور وفاقی اردو یونیورسٹی بھی کراچی میں ہے۔ کراچی کو روشنیوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل کراچی کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ اب ہمارا کراچی پہلے والا نہیں رہا۔ اس کی روشنیاں اندھیروں میں تبدیل ہوتی جا رہی ہیں۔

فاروق احمد صدیقی۔ کراچی

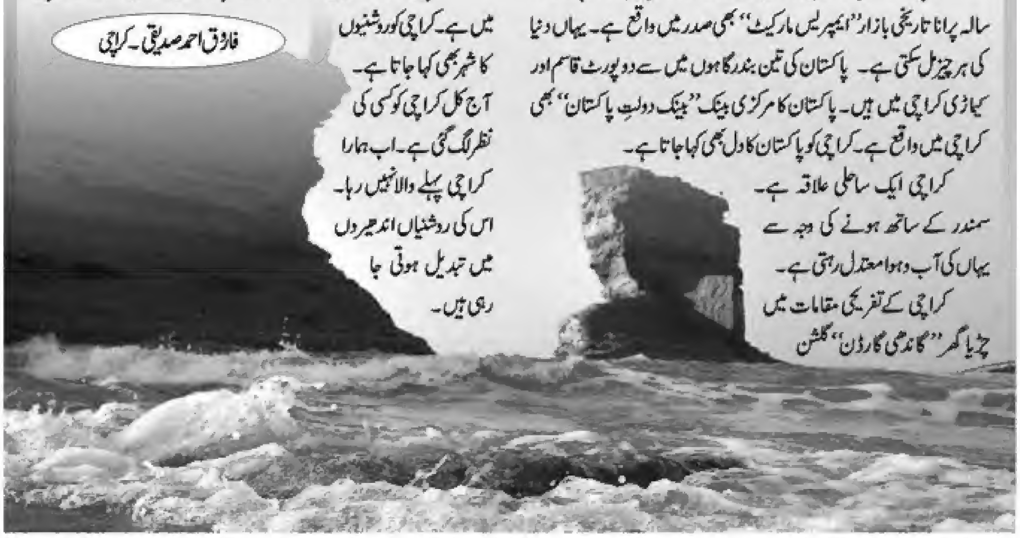

اور ان کی موت کے ہنگامے کے دوران وہ تصویروں والا لفافہ لے کر چلتا بنے ... تجوری کھولتے ہوئے وہ ان دونوں کو دیکھ لینا چاہتا تھا، تاکہ بعد میں خود کھول کر لفافہ حاصل کرلے، اگر دونوں لڑکے لفافہ پالیتے ہیں تو ان سے حاصل کرلے ... اب اُسے کیا معلوم تھا کہ ہم نے اس کے گرد جال بچھایا تھا، ویسے یہ خیال مجھے بھی نہیں آیا تھا کہ یہ شخص کلوروفارم کی بجائے زہر کی شیشی دے دے گا، ورنہ میں آفتاب اور آصف کو ضرور خبردار کردیتا ... خیر، یہ دونوں رات کو وہاں پہنچ گئے ... شابو پہلے ہی گھر میں عابد رئیسانی کے روپ میں تھا ... ابھی تک یہ معلوم نہیں کرسکا کہ یہ عابد رئیسانی کون ہیں ... کیا اس نام کا کوئی آدمی سردار ہارون کا ... دوست ہے، اگر ہے تو اس کا کیا بنا؟ یہ ابھی ہمیں معلوم کرانا ہے ... خیر، آفتاب اور آصف کھڑکی کے ذریعے سردار ہارون کے کمرے میں داخل ہوئے ... انھوں نے انھیں بے ہوش کرنے کے لیے شیشی رومال میں الٹ دی ... اتفاق سے رومال گر گیا اور اُسے بلی نے سونگھ لیا ... اس طرح انھیں معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ میں کلوروفارم نہیں، زہر ہے تو یہ گھبرا گئے، تاہم تجوری کھولے بغیر واپس جانا پسند نہ کیا ... تجوری کھولنے میں کامیاب ہوگئے ... لیکن پٹ کھلتے ہی انھیں ایک تصویر نے دھمکی دی ... یہ اور بھی بوکھلا گئے ... ساتھ ہی سردار ہارون بھی جاگ گئے اور انھوں نے ان پر پستول تان لیا، لیکن یہ بھاگ نکلے ... اس دوران عابد رئیسانی تجوری کے کھلنے اور اس کے خطرے وغیرہ سے آگاہ ہوچکا تھا، چنانچہ اس نے دوسری رات خود تجوری کھولنے کا فیصلہ کرلیا ... ادھر مجھے بھی تصویروں والے لفافے کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا، اس کام پر مامور کرنے سے پہلے تمام تفصیلات بتائی گئی تھیں، اس لیے میں نے بھی یہی پروگرام بنایا کہ تجوری کھول کر دیکھا جائے ... ہم جب یہاں پہنچے تو عابد رئیسانی پہلے ہی نقاب پوش کے رُوپ میں یہاں موجود تھا اور تجوری کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا ... تجوری تو اس نے کھول لی، لیکن اس میں سے لفافہ نہ تلاش کرسکا ... آخر سردار ہارون کو جگانا پڑا ... انھوں نے لفافے کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کردیا ... یہاں تک کہ شابو نے لفافے کے بدلے دس لاکھ روپے دینے کی پیش کش بھی کر ڈالی، لیکن سردار صاحب نے لفافے کی قیمت ایک کروڑ روپے لگائی ... جب سردار ہارون کسی طرح نہ مانے تو اس نے ان پر فائر کرنا چاہا، لیکن میں درمیان میں ٹپک پڑا۔

شمارہ 600 میں ناول کی آخری قسط پڑھیے

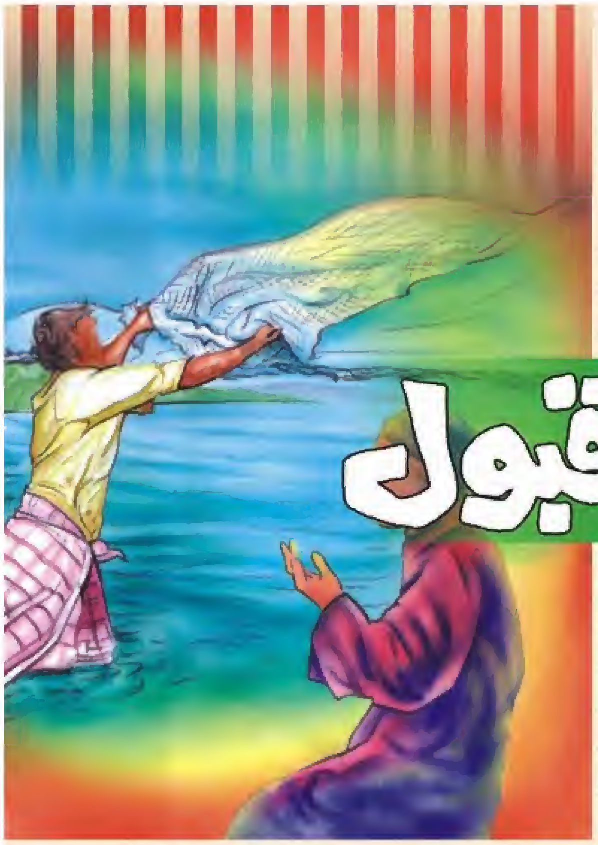

دُعا قبول

محمد اکرم شریف صدیقی۔ ہرنولی

ہم گوادر میں رہ رہے تھے۔ ایک دن میرے بیٹے کو شدید تکلیف ہوگئی۔ وہ درد سے کراہنے لگا۔ ڈاکٹر سے چیک کرایا۔ اس سے دوائی لکھوالی۔ دوا استعمال کرائی، لیکن افاقہ نہ ہوا۔ دوبارہ دوائی لی، پھر ڈاکٹر بدل دیا، کسی اور ڈاکٹر سے دوائی لی، لیکن نتیجہ صفر اور منا درد سے چلا چلا کر بے ہوش ہوجاتا۔ پھر ایک نے حکیم صاحب کا بتایا۔ انھوں نے بھی دوائی دی، پرہیز بتایا، سب کر کے دیکھ لیا۔ دوا بے کار، پرہیز بے کار، علاج بے کار، آخرکار ایک سہیلی نے ایک شخص کا پتا بتایا جو گوادر سے ڈیڑھ سو کلو میٹر دور سمندر کنارے رہتا تھا اور مشہور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ اولاد چاہے خیال نہ رکھے، لیکن ماں باپ کو اولاد سے بہت محبت ہوتی ہے اور پھر ہم تو مایوسی کے قریب تھے، فوراً کار نکالی، منے کو اور ایک ملازم کو ساتھ لیا، میاں کے ساتھ اُس شخص کے گھر پہنچ گئے۔ وہ اس وقت مچھلیاں پکڑنے گیا ہوا تھا۔ یہ ماہی گیروں کی بستی تھی۔ وہ بھی ماہی گیر تھا۔ اس کے گھر والوں نے ہمیں چائے پلائی۔ اتنے میں وہ بھی آگیا۔ اس نے ہماری اچھی خاطر تواضع کی، آنے کا مقصد دریافت کیا۔ ہم نے اپنی پریشانی بتائی۔ اس نے تین روز وہیں رہنے کی شرط لگائی۔ ہم مجبور تھے، اس نے مہمان خانے میں ہمارا انتظام کر دیا اور اچھی خاطر مدارت کی۔ تین روز بعد اس نے ہمارے منے کے لیے دعا کی۔ منا ایسا ہوگیا جیسے اسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ میرے میاں نے کچھ رقم دینے کی کوشش کی، لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میرے میاں نے اس سے کہا:

”آپ میری چند الجھنیں دور کر دیں۔“

وہ شفقت سے بولا:

”ضرور! پوچھیے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔“

میرے میاں نے کہا:

”آپ نے تین دن ہمیں کیوں روکے رکھا، حالانکہ پہلے ہی دن آپ دعا کر سکتے تھے۔ دوسرا آپ اس درجے کو کیسے پہنچے کہ آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔“

وہ مسکرائے، پھر کہنے لگے:

”دعا کی قبولیت میں رزقِ حلال کی خاص اہمیت ہے۔ ہم مچھلیاں پکڑنے گئے۔ میرے ساتھی کی کشتی میں سے اچھل کر ایک مچھلی میری مچھلیوں میں آگئی۔ وہ آگے۔ گہرے سمندر میں مچھلیاں پکڑنے چلا گیا۔ مجھے پتا چلا تو معلوم ہوا کہ وہ تین دن بعد آئے گا۔ اس کی مچھلی میری مچھلیوں میں شامل ہوگئی تھی اور میرے پاس تھی، اس صورت میں شاید دعا اثر نہ کرتی۔ وہ آیا، میں نے مچھلی واپس کی۔ اللہ پاک سے توبہ کی اور آپ کے منے کے لیے دعا کی۔ دوسرے میں انتہائی ذمے داری سے رزقِ حلال کوشش کر کے کماتا ہوں۔ پہلے ماں باپ کی خدمت، پھر بچوں کی ضروریات پوری کرتا ہوں۔ اس کے بعد مال جوڑ جوڑ کر ذخیرہ نہیں کرتا، بلکہ یتیموں، مسکینوں، محتاجوں میں تقسیم کر دیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ رات کو ایک پیسہ بھی میرے پاس نہ ہو۔ فرائض واجبات نوافل کے علاوہ مہمان نوازی اور خوش خلقی میری پختہ عادت ہے۔ پس جو آدمی بھی اللہ رب العزت کے احکام کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق پورا کرے گا، وہ نہ صرف دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا بلکہ اس کی دعائیں بھی قبول ہوں گی، تجربہ کر کے دیکھ لیں۔“

ہم بھی ارادہ کر کے وہاں سے واپس اپنے گھر آگئے۔

محبت الٰہیہ کتب کا پیکیج

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

محبتِ الٰہیہ

صفحات 374

2 عورت کے بندے
3 فتنہ انکار حدیث
4 بدعات مروجہ
5 نماز میں مردوں کی غفلتیں
6 نفس کے بندے
7 نماز میں خواتین کی غفلتیں
8 اسلام میں ڈاڑھی کا مقام
9 مرض و موت
10 اصلاحِ خلق کا الٰہی نظام

اصل قیمت ~~750/=~~

رعایتی قیمت 450/=

منی آرڈر روانہ فرمائیں ڈاک خرچ مفت

کتاب گھر

السادات سینٹر بالمقابل دارالافتاء والارشاد ناظم آباد نمبر 4، کراچی 75600

فون: 021-36688747,36688239

ایکسٹینشن: 211 موبائل: 0305-2542686

اپنا بنچ

سارہ الیاس۔ ڈیرہ غازی خان

''سنو افق! میں اب ہاشم سرمدی کے ناول نہیں پڑھا کروں گا۔''

میری بات سن کر افق حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

''کیا کہا تم نے... تم اب یہ ناول نہیں پڑھا کرو گے... تم تو ان کے لیے پاگل ہوئے جاتے ہو، سارا مہینا نئے ناول کا انتظار کرتے ہو، جیب خرچ بچا کر رکھتے ہو... پھر ایسا کیا ہو گیا... کہ۔''

میں تلخ انداز میں مسکرا دیا۔

''پاگل تھا جو اس شخص کے ناول پڑھا کرتا تھا... دماغ خراب تھا میرا.. اب عقل آ گئی ہے۔'' میرے چہرے پر غصہ دیکھ کر اس نے ناول واپس سٹال پر رکھ دیا:

''آؤ چلیں... سنٹرل سٹی پارک کی جھیل کے کنارے اپنے بنچ پر... وہاں تم مجھے بتاؤ گے... اب تم ان کے ناول کیوں نہیں پڑھنا چاہتے۔'' افق نے مجھے بازو سے تھام لیا۔

اور کچھ دیر بعد ہم ''اپنے بنچ'' پر بیٹھے تھے۔ ہم دونوں کی دوستی کو دو سال ہو گئے تھے۔ وہ آٹھویں کا امتحان پرائیویٹ دے کر اور اپنا حفظ مکمل کر کے ہمارے سکول میں داخل ہوا تھا۔ ہماری دوستی کی وجہ ہمارے مشترکہ شوق تھے، جن میں سے ایک پارک کی مصنوعی جھیل کے سامنے موجود بنچ پر بیٹھ کر ناول پڑھنا تھا، اس کے علاوہ شرارتوں کے نئے پلان بھی یہیں ترتیب دیے جاتے تھے۔

''ہوں شروع ہو جاؤ بھائی۔'' میرے ہاتھ میں برگر پکڑاتے ہوئے اس کا اشارہ بات شروع کرنے کی طرف تھا مگر میں نے بسم اللہ پڑھ کر برگر کھانا شروع کر دیا۔ ''مار کھاؤ گے اسد! بتاؤ مجھے کیا بات ہے؟''

''بات یہ ہے جناب کہ میں نے سوچا کہ اب ہم بڑے ہو رہے ہیں تو یہ بچوں کے ناول وغیرہ چھوڑ...'' ابھی بات میرے منہ میں ہی تھی کہ وہ جھنجھلا کر بولا: ''دیکھو اتم جب جھوٹ بولتے ہو تو فوراً پکڑے جاتے ہو اور جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے۔'' اس کے تیور دیکھ کر میں سیدھا ہو گیا۔

''تم جانتے ہو نا میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ اس لیے بڑھایا تھا کہ تمہارا نام ہاشم سرمدی کے ناولوں کے ہیرو کا نام تھا۔ پھر ان کے ناول پڑھنے کا تمہارا شوق ہمیں اور قریب لے آیا۔ اسی بنچ پر بیٹھ کر ہم نے کتنے ناول پڑھے ان کے، دیوانوں کی طرح نئے ناولوں کے منتظر رہتے تھے، وجہ؟ ان کے ہیروز صرف سفاک جاسوس قسم کے لوگ نہیں، نرم دل رکھنے والے ہمدرد سے انسان ہوتے ہیں۔ ایسے جو کسی کو مصیبت میں دیکھ کر اپنی جیب میں موجود تمام رقم اس کے حوالے کر دیں، جن کی بیگمات اپنے زیورات، قیمتی ملبوسات، غریب کی بچی کے جہیز کے لیے اٹھا دیتی ہیں، ہیں نا؟'' میں نے سوالیہ انداز میں بات ختم کی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں! حب الوطنی، بہادری، دلیری کے ساتھ ساتھ ہمدردی کا عنصر بھی موجود ہے، مگر اس کا تمہارے ناول نہ پڑھنے کے فیصلے سے کیا تعلق ہے۔'' وہ بولا تو میں عادتاً ہی مسکرا دیا۔

''بڑا گہرا تعلق ہے! سنو! ابا بہت بیمار تھے نا پچھلے دنوں۔ میں بہت پریشان تھا، بالکل بھی رقم نہ بچی تھی۔ کہیں سے ادھار ملنے کی بھی امید نہیں تھی ناں یاد ہے؟ تمہارے بابا نے کتنی کوشش کی تھی مگر وہ بھی کچھ بندوبست نہ کر سکے تھے، پھر میں نے انھیں یعنی ہاشم سرمدی کو خط لکھا تھا۔''

''تم نے انھیں خط لکھا تھا، مگر کیا۔''

''وہی جو ایک مجبور لکھ سکتا تھا۔ مدد کی درخواست کی ابا کی حالت بتا کر، مگر انھوں نے کورا جواب دے دیا۔ کتنا کماتے ہیں یہ لوگ پھر بھی، ذرا ہمدردی نہیں۔''

''اچھا! یہ بات ہے، مگر دوست یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔'' وہ بولا تھا۔

''نہیں دوست! یہ دوسرا رخ ہے۔ خدا نے کرم کیا، ابا کی حالت سنبھل گئی ورنہ۔'' مجھے اداس ہوتا دیکھ کر وہ بولا۔ ''چلو جو ہے ٹھیک ہے، چھوڑو اس موضوع کو۔ تم کبھی میرے گھر نہیں آئے۔ کبھی آؤ نا۔ میں بھیا سے ملواؤں گا، چھوٹا شانی بھی بہت خوش ہو گا۔''

''ضرور! تم نے کبھی بلایا جو نہیں تھا۔ اب ضرور آؤں گا، اس اتوار کو!'' اتوار کو وہ صبح صبح مجھے لینے اپنے گھر آ گیا۔ ''آ جاؤ! پردہ نہیں ہوتا ہمارے گھر، امی تین سال پہلے وفات پا چکی ہیں اور باجی کی پچھلے سال شادی ہو گئی ہے۔''

وہ اندر آیا۔ کافی اچھا اور کھلا گھر تھا، اگرچہ اس کے گھر سے چھوٹا تھا۔ ''اچھا ہے نا میرا گھر! دادا نے بنوایا تھا، چچا نے اپنا حصہ ابا کو ہی دے دیا۔'' مجھے کچھ حیرت ہوئی۔ آج سے پہلے اس نے کبھی ذاتی باتیں نہیں کی تھیں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ کتنے بہن بھائی ہیں، اس کے ابا کیا کرتے ہیں، آج پہلا موقع تھا، یوں کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ ''چلو، ہاشم بھائی کے پاس چلتے ہیں۔''

کتابوں سے بھرے کمرے میں زندگی سے بھرپور چہرے والے نوجوان کے بستر کے ساتھ رکھی بیساکھیوں نے مجھے بہت دکھ دیا۔ اتنا کہ میں سلام کرنا بھی بھول گیا۔ ننھا شانی وہیں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا، شاید وہ اسے املاء کروا رہے تھے۔''

''پچھلے پانچ سالوں سے یہ یہاں ہیں، اسی بستر پر، شکر ہے خدا کا بول لیتے ہیں۔ سن لیتے اور دیکھ لیتے ہیں۔ چلنا پھرنا یا حرکت کرنا ان کے بس میں نہیں۔'' اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''السلام علیکم!'' مسکراہٹ ان کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

''وعلیکم السلام! آپ اسد ہیں۔''

''جی! لگتا ہے افق میرے بارے میں بہت باتیں کرتا ہے۔''

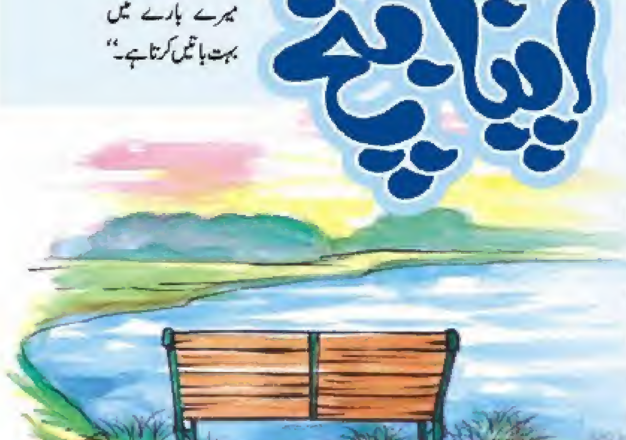

''ہاں! سارا دن تمہارے قصے سناتا ہے۔''

ہم لوگ یونہی باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں ان کے ابا آ گئے۔ وہ شاید بازار سے ناشتا لائے تھے۔ سب کے اصرار پر مجھے بھی ناشتے میں شریک ہونا پڑا۔ پھر افق نے بڑے پیار سے اپنے بھیا کو سوپ پلایا اور بولا، چلو شانی تمہاری مزدوری کا وقت شروع ہو گیا۔ آؤ اسد ہم ''اپنے بنچ'' پر چلتے ہیں۔

''تم جان پائے ہو میں تمھیں کیا بتانا چاہتا تھا؟''

''میں شرمندہ ہوں میرے دوست۔''

''بھیا یوں ہی بول بول کر وہ ناولز لکھواتے ہیں۔ کبھی میں، کبھی شانی، کبھی ابا، لکھتے ہیں، پھر تمہارے خیال میں کتنے لکھ پتی ہیں میرے بھیا؟ ایسا خط صرف تم نے انھیں نہیں لکھا تھا، آئے روز ایسے خطوط انھیں ملتے ہیں، وہ دکھی ہو جاتے ہیں، کہتے ہیں کاش میں کچھ کر سکتا تمہارے ابا کے لیے جب رقم چاہیے تھی تو وہ مہینے کے آخری

دن تھے۔ ابا کی تنخواہ آنے میں ابھی ہفتہ پڑا تھا۔ جو کچھ بھی ہم نے کیا، وہ بھیا ہی کی جمع پونجی تھی۔ پھر تم نے انھیں خط لکھا اور ان سے بدگمان بھی ہوگئے، نہ جانے کتنے ایسے لوگ ہوتے ہوں گے جو حقیقت جانے بنا ہی۔" اس کا گلا رندھ گیا۔

"اچھا، معاف کر دو نا اقی اور چلو میرے ساتھ۔"

"کہاں؟"

"اسلامی کتب خانے پر، نیا ناول جو لینا ہے۔"

میں مسکرا کر بولا، تو اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے پوچھا:

"اور اور کیا کرنا ہے۔"

"اور ہاشم سرمدی کے نام خط لکھنا ہے اور ان سے اپنی اس بات کی معافی مانگنی ہے دوست۔"

"یہ ہوئی نا کام کی بات! چلو پہلے کتب خانے تک ہو آئیں۔"

ہمارے بچ نے ہماری ایک اور یاد کو محفوظ کر لیا تھا۔ ہمیں یقین تھا، بڑھاپے میں ہم تنہا نہیں ہوں گے، ہمارا اپنا بچ ہمیں سنانے کے لیے ہماری بہت سی کہانیاں محفوظ کر رہا تھا ناں۔

☆☆☆

مسکراہٹ کے پھول

☆ ٹکٹ چیکر: (سردار سے) ٹکٹ دکھاؤ۔

سردار: یہ لیں۔

ٹکٹ چیکر: یہ تو تین سال پرانا ٹکٹ ہے۔

سردار: تو جناب ٹرین کون سا شوروم سے آئی ہے۔ (محمد امیر حمزہ۔ گوجرانوالہ)

☆ بیوی: آپ نے شادی سے پہلے یہ کیوں نہیں بتایا کہ آپ کی پہلے بھی ایک بیوی ہے۔

شوہر: بتایا تو تھا، رانی کی طرح رکھوں گا۔ (حافظہ وسطیٰ چوہدری۔ ملتان)

☆ امام سفیان بن عیینہ کے حدیث کے درس میں ایک دیہاتی مدت تک بیٹھتا رہا۔ جب واپس جانے لگا تو امام صاحب نے اس سے پوچھا:

"تم اتنا عرصہ درس میں شامل رہے، بتاؤ میری بیان کردہ احادیث میں تمھیں کون کون سی احادیث پسند آئیں۔"

دیہاتی نے جواب دیا: "صرف تین احادیث پسند آئیں۔"

انھوں نے پوچھا: "کون کون سی۔"

دیہاتی نے جواب دیا: "ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد پسند تھا، دوسری یہ کہ جب رات کا کھانا لگ جائے اور نماز کا وقت ہو تو پہلے کھانا کھالو۔ تیسری یہ کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔" (یعنی مشقت اٹھا کر)

☆ افغانستان میں ایک امریکی فوجی کو راستے میں پڑا چراغ ملا۔ اس نے چراغ کو اٹھا کر رگڑا تو ایک دھماکا ہوا۔ وہ وہیں مر گیا۔ دور کھڑے ایک شخص نے یہ دیکھ کر کہا۔

"کچھ چیزیں الہ دین کی نہیں، مجاہدین کی بھی ہوتی ہیں۔" (وفا قریشی۔ کراچی)

☆ شوہر نے بیوی سے کہا، میری امی آرہی ہیں، کچھ بنالو۔ بیوی نے فوراً منہ بنالیا۔ کچھ دن بعد بیوی نے کہا، میری امی آرہی ہیں، آپ مہربانی کر کے باہر سے کچھ لے آئیں۔ شوہر گیا اور رکشہ لے آیا۔ (محمد طیب طاہر۔ فیصل آباد)

☆ بس سٹاپ پر بہت رش تھا۔ سب لوگ بس کا انتظار کر رہے تھے۔ ایسے میں ایک بھکاری آیا۔ اس نے سب سے بھیک لی اور رکشے میں بیٹھ کر چلا گیا۔

☆ تیمور لنگ نے اپنے ایک درباری سے پوچھا۔

"پرانے خلفا کے نام کچھ اس طرح تھے، واثق باللہ، مظفر باللہ، مستنصر باللہ، میں بھی کوئی ایسا نام رکھنا چاہتا ہوں۔"

اس درباری نے فوراً کہا: "آپ نعوذ باللہ رکھ لیں۔" (خنسا منور دین۔ فیصل آباد)

☆ حضرت خواجہ غلام حبیب رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا، حضرت آپ نے کتنے حج کیے ہیں، حضرت نے اس سے پوچھا، آپ نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں، اس نے کہا، کبھی حساب نہیں لگایا۔ حضرت جی نے فرمایا:

"میں نے بھی کبھی حساب نہیں لگایا۔" (ابوالحسن گیلانی۔ سیالکوٹ)

☆ حضرت مفتی کفایت اللہ درس دے رہے تھے انھوں نے طلباء سے سوال پوچھا کہ یہ بتاؤ! حضرت کشمیری رحمہ اللہ علامہ کشمیری کیسے بنے؟ اب جن طلباء کو تفسیر کے ساتھ ذوق تھا، انھوں نے کہا کہ جی بڑے اچھے مفسر تھے۔ جن کو حدیث پاک کے ساتھ ذوق تھا، انھوں نے کہا کہ جی بڑے اچھے محدث تھے اور جن کو شاعری کے ساتھ دلچسپی تھی، انھوں نے کہا کہ جی ان کا کلام بڑا اعلیٰ ہے، عربی میں اشعار بھی لکھے ہیں۔ تو اس پر حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی نے یہ سوال خود علامہ کشمیری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حضرت! آپ علامہ کشمیری رحمہ اللہ کیسے بنے؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ میں ادب کی وجہ سے بنا۔ میں اساتذہ کا بھی ادب کرتا تھا، کتب کا بھی ادب کرتا تھا۔ پوچھا کہ کیسے؟ فرمانے لگے کہ میں نے کبھی بے وضو علمی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں اتنا ادب کرتا تھا کہ بخاری شریف کا جب مطالعہ کرتا تھا اور کرتے کرتے جب حاشیہ دیکھنا ہوتا تو کتاب کو اپنے تابع نہیں کرتا تھا، خود کتاب کے تابع ہوتا تھا، اٹھ کر دوسری طرف آکر پھر حاشیہ پڑھتا تھا اور میں نے کبھی قرآن مجید کے اوپر حدیث کی کتاب نہیں رکھی، حدیث کے اوپر فقہ کی کتاب نہیں رکھی اور فقہ کے اوپر تاریخ کی کتاب نہیں رکھی۔ میں کتابوں کے رکھنے میں بھی ان کے درجات کا خیال رکھتا تھا۔ جب اتنا ادب ہوگا تو یقینی بات ہے دل منور ہوگا۔ (محمد امیر حمزہ۔ گوجرانوالہ۔ ماخوذ از اسلاف کی یادیں)

☆ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کے پاس اپنی وہ تلوار بھیج دیں جو صمصامہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ تلوار تھی جس نے ایران کے رستم کے ہاتھی کے پاؤں ایک ہی وار میں کاٹ دیے تھے۔ جب وہ تلوار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس تلوار کو ویسا اعلیٰ نہ پایا جیسا کہ اس کے بارے میں سنا تھا۔ آپ نے حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: اس میں فرمایا:

"میں نے تمہاری تلوار کو ویسا نہیں پایا جیسا اس کے بارے میں سنا تھا۔"

حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے جوابی خط میں لکھا:

"میں نے امیر المومنین کی خدمت میں تلوار بھیجی ہے، وہ بازو نہیں بھیجا، جس سے یہ تلوار چلائی جاتی ہے۔" (حافظ نوید احمد عجمی۔ بہبودی اٹک)

بے گناہ مجرم

ف ک انصاری۔ جھنگ

آفاق اپنے گھر کی چوتھی منزل پر بنی پانی کی ٹینکی میں جھکا ہوا تھا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ٹینکی میں کتنا پانی ہے۔ اسی وقت مین روڈ سے ایک پولیس جیپ اندرونی سڑک پر مڑتی دکھائی دی۔ رات کے کوئی بارہ بجے تھے۔ اس وقت آفاق کی اوپر موجودگی پولیس والوں کی نظروں میں آ گئی۔ پولیس نے اپنا مخصوص ہارن بجانا شروع کر دیا۔

آفاق کو بھی احساس ہو گیا کہ یہ لوگ شاید مجھے کوئی چور ڈاکو خیال کر رہے ہیں۔ وہ بھی فوراً نیچے اترنے لگا، کیوں کہ پولیس تیر کی طرح گھر کے قریب پہنچ رہی تھی۔ والدین اور بہن بھائی سونے کی تیاریاں کر چکے تھے۔ اب پولیس سب کو جگا سکتی تھی۔ یہی سوچ کر آفاق فوراً نیچے پہنچا۔ چار چار سیڑھیاں پھلانگ کر وہ نیچے پہنچا۔ اس وقت تک پولیس موبائل گیٹ کی گھنٹی بجا چکی تھی۔

O

کراچی میں اکثر و بیشتر ایسے حالات ہوتے رہتے ہیں کہ عوام کا پولیس پر سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ ان دنوں بھی پولیس بلاوجہ ہی بے گناہ عوام کو مجرم بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ آفاق کے سامنے ہی عشاء کی نماز کے بعد مسجد کے سامنے سے ایک لڑکے کو پولیس اٹھا کر لے گئی تھی۔

دو لڑکے عشاء کی نماز کے بعد مسجد کے پاس ہی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ دونوں شریف گھرانوں کے شریف بچے تھے۔ سارے محلے والے جانتے تھے۔ دو پولیس والے موٹر سائیکل پر اُن کے پاس آ کر رُکے:

''اوئے! تم میں سے رضوان کون ہے؟'' ایک پولیس والا بولا۔

''میں ہوں رضوان۔'' گھنی ڈاڑھی والا سفید ٹوپی پہنے لڑکا بولا۔

''تم فردوس نجمی صاحب کے گھر ڈاکا ڈالنے والوں میں شامل تھے۔ ہمارے ساتھ تھانے چلو۔'' دوسرے پولیس والے نے آگے بڑھ کر اُسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''سر! کیسی بات کر رہے ہیں۔ ہم بہت شریف لوگ ہیں۔ ہم کسی ڈاکے واکے میں شامل نہیں تھے۔ سارا دن پڑھائی سے فرصت نہیں ملتی، ڈاکا کیا ڈالیں گے۔'' رضوان کے دوست نے نرمی سے کہا۔

''بس بس! ہم پر اپنی پڑھائی کا رعب ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری اطلاع غلط نہیں ہو سکتی... اگر تمہارا دوست ڈاکوؤں میں شامل نہیں تھا تو ہم چھوڑ دیں گے اسے... چل اُوئے! بیٹھ جا موٹر سائیکل پر۔'' پولیس والا غصے سے رضوان کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

دونوں ''صحت مند'' پولیس والوں نے اپنے درمیان پتلے دبلے رضوان کو بٹھا لیا... رضوان کو لگا وہ برگر کے درمیان رکھا کباب ہے۔ اسے اپنا سانس بھی رکتا محسوس ہوا... اس کے دوست نے اُسے تسلی دی کہ فکر نہیں کرنا، میں تمہارے بابا جان کے ساتھ تھوڑی دیر تک تھانے پہنچ جاؤں گا اور موٹر سائیکل روانہ ہو گئی... آفاق قریب ہی دکان پر کھڑا کچھ سامان لے رہا تھا جب اُس نے یہ سارا منظر دیکھا... وہ ان لڑکوں کو اچھی طرح جانتا تھا... لہٰذا اُسے پولیس والوں پر حیرت ہو رہی تھی کہ انہیں بلاوجہ کیوں پکڑ کر لے گئے...

O

''کون؟'' آفاق نے گیٹ کے قریب ہو کر پوچھا۔

''دروازہ کھولو۔''

''آپ ہیں کون پہلے یہ تو بتائیں؟'' آفاق جانتا تو تھا مگر دیکھنا چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا کیا تعارف کرواتے ہیں۔

''ہم پولیس والے ہیں دروازہ کھولو۔'' ایک کرخت اور بھاری سی آواز میں کہا گیا۔

''پولیس کا ہمارے گھر میں کیا کام؟'' آفاق نے کہا۔

''آپ کی چھت پر کوئی چور ہے... ہم نے خود دیکھا ہے۔'' وہی آواز آئی۔

''وہ میں ہی تھا پانی دیکھنے گیا تھا ٹینکی میں... آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔'' آفاق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے! اگر وہ آپ تھے تو دروازہ کھول کر اپنا چہرہ دکھا دیں، ہمیں یقین آ جائے گا۔ ہم چلے جائیں گے۔'' اسی آواز میں کہا گیا۔ آفاق کو ہنسی بھی آئی کہ اتنی دور سے انھوں نے میرا چہرہ کیسے دیکھ لیا تھا۔ پھر یہ بات ذہن میں آئی کہ اسی طرح میرے ایک دوست کو پولیس اس کے گھر سے اٹھا کر لے گئی تھی۔ اُس نے بھی گھر سے نکل کر بس یہی پوچھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آفاق دروازہ کھولنا نہیں چاہ رہا تھا۔ آفاق کی آواز سن کر اندر سے بہنیں بھی آ گئیں اور آفاق سے معاملہ پوچھا۔ ادھر پولیس کہہ رہی تھی:

''اگر آپ گھر کے ہی فرد ہیں تو اپنے کسی بڑے کو بلائیں۔''

بہنوں نے مشورہ دیا کہ ابو بھائی وغیرہ سب سو رہے ہیں، اُن کی نیند خراب کرنے کی ضرورت نہیں، ہم بہنوں میں سے کوئی ان پولیس والوں سے بات کر کے ان کی تسلی کروا دیتے ہیں، لہٰذا ایک بہن نے قدرے بھاری اور سخت لہجے میں کہا۔

''یہ ہمارا بھائی ہے اور ہم نے ہی اسے اوپر ٹینکی میں پانی دیکھنے بھیجا تھا۔ ہمارے گھر میں کوئی چور وغیرہ نہیں ہیں، آپ جا سکتے ہیں۔ شکریہ۔''

''ہو سکتا ہے اُس نے آپ کو یرغمال بنا رکھا ہو اور کہا ہو کہ آپ اس طرح کہیں۔'' ایک اور پولیس والے کی آواز آئی۔ اس پر آفاق اور اُس کی بہنوں کو ہنسی آ گئی مگر پولیس والوں سے چھپالی۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے... یہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے... ابو جاگ رہے ہوتے تو آپ کی تسلی کروا دیتے۔ اللہ جانتا ہے ہمارے گھر میں کوئی چور نہیں ہے۔'' بہن نے کہا۔

''ٹھیک ہے... اب اگر آپ کے گھر میں چور بھی آ گیا، ہم تب بھی نہیں آئیں گے۔'' پولیس والے کی جلی بھنی آواز آئی۔

''ہمارا اللہ مالک ہے۔''

آفاق نے بھی زور سے کہا۔

اور پھر گلی میں پولیس والوں کے بڑبڑانے کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر زور زور سے گاڑی کے دروازے بند ہونے کی آوازیں آئیں اور پولیس موبائل واپس چلی گئی۔

O

صرف ایک ہفتے بعد ہی پتا چلا کہ ایک ایمان دار قسم کا پولیس آفیسر اس علاقے میں ٹرانسفر ہو کر آیا ہے۔ اس نے آتے ہی تمام بے گناہوں کو باہر نکالا اور ایک ایک کر کے سب کو رہا کر دیا جن کی تعداد کوئی چونتیس (34) کے قریب تھی اور پچھلا پولیس آفیسر سب کو رشوت لے لے کر چھوڑ رہا تھا۔

ان چونتیس افراد میں رضوان بھی تھا اور آفاق کا دوست بھی۔

اس وقت آفاق اور اس کی بہنوں نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اُس دن انہوں نے دروازہ نہیں کھولا، ورنہ آفاق بھی آج رہا ہو کر آتا۔

دریائے نیل

مولانا محمد ہاشم عارف۔ کراچی

یہ وہی ہوٹل تھا جس میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مصر کے سفر کے دوران رہائش پذیر ہوئے تھے۔ پیچھے کچھ دور "قاہرہ ٹاور" کی بلند تعمیر نظر آرہی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر طویل القامت عمارتیں اور ہوٹل تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایستادہ تھے۔ یہ علاقہ قاہرہ کے دیگر علاقوں کی نسبت پوش اور صاف ستھرا تھا۔ جیسے کراچی میں ڈیفنس اور کلفٹن کے علاقے ہیں۔

ظہر کا وقت ہو چلا تھا۔ لمبے سفر کی تھکان تو قاہرہ پہنچتے ہی اڑن چھو ہو چکی تھی۔ جنت کے دریا دریائے نیل سے ہم صرف چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ بچپن میں کتابوں میں ان علاقوں اور مقامات کو پڑھتے تھے۔ تصور و خیال میں بھی نہیں تھا کہ کبھی ان عظیم راہوں اور میدانوں کی مٹی سے جسم و جان کو معطر کر سکیں گے۔ یہی وہ جگہیں ہیں جہاں کبھی انبیاء علیہم السلام کا بسیرا ہوتا تھا۔ یہی وہ راہیں ہیں جو کبھی صحابہ کرام کے گھوڑوں کے سموں سے اڑنے والی دھول سے اٹی ہوئی تھیں۔ انھی میدانوں میں کفر اور اسلام کے عظیم معرکے لڑے گئے تھے۔ سلطان نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ جیسے عظیم سپہ سالاروں کی یہ چٹانیں چشم دید گواہ تھیں۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنا قریب پہنچ کر آرام کرنے کے لیے لیٹ جاتے؟

"عمر! کیا خیال ہے! کیا کرنا چاہیے۔" میں نے اپنا بیگ بیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کرنا کیا ہے! چلتے ہیں باہر۔ ہماری لسٹ میں موجود کون سی جگہ ہے جو یہاں سے قریب ہے۔" عمر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"دریائے نیل ہے، میوزیم ہے قاہرہ ٹاور۔"

"ٹھیک ہے ذرا منہ ہاتھ دھولیں، پھر نکلتے ہیں۔" عمر نے جواب دیا۔

ہوٹل سے نکلتے ہوئے کاؤنٹر سے ہم نے ہوٹل کے وزیٹنگ کارڈ لے کر اپنی اپنی جیبوں میں ٹھونسے اور ہوٹل سے نکل پڑے۔ ہوٹل والے نے ہمیں گائیڈ کی پیش کش کی جو ہم نے شکریہ کے ساتھ قبول نہ کی، کیونکہ ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ وزیٹنگ کارڈ لینے کی وجہ یہ تھی کہ اگر خدانخواستہ راستہ بھول جائیں تو کارڈ دکھا کر معلوم کر سکیں۔

"سب سے پہلے مسجد کی تلاش کرتے ہیں تاکہ نماز پڑھ سکیں۔" میں نے چلتے ہوئے کہا۔

"تلاش کرنے کی بجائے کسی سے پوچھ لو تاکہ زحمت نہ ہو۔" عمر نے جواب دیا اور پھر سامنے آتے ہوئے شخص سے مسجد کا پوچھا۔ اس نے اشاروں کی مدد سے ہمیں راستہ سمجھا دیا۔ چلتے چلتے جب روڈ ختم ہوا اور چوراہا آیا تو پتا چلا کہ ہم تحریر اسکوائر پہنچ گئے ہیں۔ اس وقت بھی چوک پر چند خیمے اور جھنڈے لگے ہوئے تھے۔ آس پاس کی تمام دیواریں مختلف قسم کے نعروں سے اٹی پڑی تھیں۔ تحریر اسکوائر کے بالکل ساتھ ہی مسجد تھی۔ اس کا نام "مسجد عمر" تھا۔ ظہر کی جماعت ہو چکی تھی۔ پھر بھی بہت سے لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مسجد میں داخل ہونے کے لیے ہم نے جیسے ہی جوتے اتارے تو اندر ایک شخص نے ہمیں اشارہ کیا کہ جوتے اندر نہ لے جائیں، یہاں ہمارے پاس جمع کروادیں اور ٹوکن لے جائیں۔ میں سمجھا شاید اندر جوتے لے جانا منع ہوگا، اس لیے ہم دونوں نے جوتے جمع کروادیے اور ٹوکن لے لیا۔ اندر جا کر ہمیں حیرت ہوئی کہ مختلف جگہوں پر لکڑی کے بنے ہوئے بکسوں میں دیگر افراد کے جوتے پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر تو میرا ماتھا ٹھنکا اور میں سمجھ گیا کہ مصریوں نے پہلا ہاتھ دکھایا، لیکن وہ سیر تو ہم سوا سیر۔ میں نے بھی پلاننگ کر لی۔ کیا ہوگا بس تھوڑا سا ڈھیٹ بننا پڑے گا۔ اطمینان سے نماز ادا کی اور پھر مسجد کا معائنہ کیا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ نوجوانوں کی کافی تعداد نماز پڑھ رہی تھی۔ پھر ہم دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور جوتے والے کاؤنٹر کے پاس جا کر اس کو ٹوکن دیے۔ اس نے ہمارے جوتے نکال کر ایک ہاتھ میں پکڑے اور دوسرے ہاتھ سے پیسے دینے کا اشارہ کیا۔ میں بالکل ہی بھولا بن گیا۔ گویا سمجھ نہیں رہا ہوں کہ کیا کہہ رہے ہو۔ ایک مصری ساتھ کھڑا ہوا تھا، اس نے ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے واضح طور پر بتایا کہ اس کو پیسے دو۔ اس دوران میں نے اپنے جوتے پکڑ لیے تھے۔ جوتے لے کر میں نے اشارہ کیا کہ کھلے پیسے نہیں ہیں اور پھر باہر نکل گیا۔ جیسے کو تیسا۔ تم نے ہم سے زبردستی جوتے لیے تھے، ہم نے بھی اسی طرح واپس لے لیے۔ بہرحال اگلی بار کے لیے ہم بھی ہوشیار ہوگئے، پھر کہیں بھی جوتے کاؤنٹر پر جمع نہیں کروائے۔ یہ لوگ غیر ملکیوں کو دیکھ کر پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں، لیکن ہم بھی سرخ جھنڈی دکھا دیتے ہیں۔

مسجد سے نکل کر ہم جیسے ہی چند قدم آگے بڑھے تو سامنے ٹھاٹھیں مارتا دریائے نیل تھا۔ یہ وہ تاریخی دریا ہے جو قوموں کے عروج و زوال کی نہ جانے کتنی داستانیں اپنی لہروں میں چھپائے ہزار ہا سال سے بہہ رہا ہے۔ صحیح احادیث میں اسے "جنت کا دریا" کہا گیا ہے۔ معراج کی شب جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ نے اس کی جڑ میں دو کھلے ہوئے اور دو چھپے ہوئے دریا دیکھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے سوال پر بتایا کہ یہ کھلے ہوئے دریائے نیل اور فرات ہیں۔

دریائے نیل کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں جن کی بناء پر وہ دنیا کے دوسروں دریاؤں سے واضح طور پر نمایاں ہے۔

(1) یہ اپنے طول کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا دریا ہے، جو چار ہزار میل میں پھیلا ہوا ہے۔ (2) اکثر و بیشتر دریا شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں، لیکن یہ دریا جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے۔ (3) یہ بات ہزار ہا سال تک محققین کے لیے معمہ بنی رہی کہ اس کا منبع کہاں ہے، لیکن ابھی تک اس کے سروے کا کام مکمل نہیں ہو سکا۔

اگر انسان اتنے ہزار سال کی تحقیق ریسرچ اور جدید ٹیکنالوجی کے بعد دنیا ہی میں اس دریا کا آخری سرا سو فیصد یقین کے ساتھ دریافت نہیں کر سکا تو صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے ساتھ اس کے جس رابطے کی نشان دہی فرمائی ہے، اس کا ٹھیک ٹھیک سراغ کون لگا سکتا ہے؟ (جہانِ دیدہ)

تاریخ کے اوراق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یقین کامل، عقیدے میں پختگی اور فہم و فراست کا ایک عجیب و غریب واقعہ ملتا ہے، جس کا تعلق دریائے نیل سے ہے۔ (باقی آئندہ)

مکہ کلاک ٹاور

محمد عبداللہ سمیع۔ تلمبہ

مکہ مکرمہ (حرم شریف) میں باب العزیز کے سامنے دنیا کا سب سے بڑا ٹاور تعمیر کیا گیا ہے۔ اس ٹاور کے اوپر دنیا کا سب سے بڑا گھڑیال نصب ہے جسے "مکہ کلاک ٹاور" کہتے ہیں، اس گھڑیال کو دنیا کا سب سے بھاری بھرکم اور بڑا گھڑیال ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ عظیم الشان گھڑیال سعودی عرب کی ایک عظیم یادگار ہے۔ اس گھڑیال سے 17 کلومیٹر کی مسافت تک چاروں طرف دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی لمبائی 43 میٹر اور زمین سے بلندی 400 میٹر ہے۔ گھڑیال کے چاروں طرف مختلف رنگوں والے بلب لگائے گئے ہیں، جو نمازوں اور اذان کے اوقات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ حرم شریف میں باب العزیز کے سامنے ٹاور پر نصب دنیا کا سب سے بڑا گھڑیال لندن کے مشہور بگ بین گھڑیال سے 6 گنا بڑا ہے۔ یہ ٹاور فن تعمیر کی ایک اچھوتی یادگار ہے، عالمی ماہرین نے اسے فن تعمیر کا دلکش نمونہ قرار دیا ہے جو کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنے دیوہیکل قد وقامت کی وجہ سے یہ ٹاور مکہ مکرمہ کی ہر جگہ سے نہ صرف دیکھا جاسکتا ہے، بلکہ راستے کے تعین میں بھی مددگار رہتا ہے۔ یہ اچھوتی گھڑی 98 ملین رنگین شیشے کے ٹکڑوں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور روشنی کے لیے 2 ملین بلب استعمال کیے گئے ہیں۔ گھڑی کی ہر سوئی کو حرکت میں رکھنے کے لیے اپنی ایک الگ موٹر ہے اور اس کی سوئیوں کا مجموعی وزن 21 ٹن سے بھی زیادہ ہے۔ ٹاور کے اوپر دنیا کا سب سے بڑا ہلال نصب ہے، جس کا قطر 23 میٹر ہے۔ لفظ "اللہ اکبر" کے الف کی لمبائی 23 میٹر سے زیادہ ہے۔ اذان کے وقت گھڑیال سے منسلک 21 ہزار سفید اور سبز لائٹیں روشن ہوتی ہیں جس سے مینار کی خوب صورتی کو مزید چار چاند لگ جاتے ہیں، اس کا نظارہ مکہ مکرمہ کی ہر جگہ سے باآسانی کیا جاسکتا ہے۔ 815 میٹر بلند دنیا کے اس عظیم گھڑیال کی تنصیب پر تین ملین ڈالر خرچ ہوئے ہیں، مکہ کلاک ٹاور سعودی عرب کے فرمانروا خادم الحرمین الشریفین "شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز" کی زیر نگرانی عرصہ دو سال میں پایہ تکمیل تک پہنچا۔

بچوں کا اسلام کا چمکتا دمکتا
600 واں شمارہ خاص شمارہ

خاص شمارے کی کہانیوں اور مضامین کی... ایک جھلک

- ایک مرد درویش سے ملاقات آپ کو حیرت میں ڈال دے گی۔
- بچوں کا اسلام کے چھ سو شمارے ہو گئے۔ اثر جون پوری کی شوخ شنگ نظم۔
- داستان زندگی کی: جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی کہانی۔
- ادب ہے قرینہ: ادب ہے تو سب کچھ ہے۔
- آئینے کے پیچھے: ایک یہودی بچے کی کہانی۔
- کتابی کردار: ایسے کردار کیا اب بھی ملتے ہیں۔
- کس قیامت کے یہ پرچے میرے نام آتے ہیں: ایک ہنسی مسکراتی اور کھلکھلاتی تحریر۔
- بچوں کا اسلام کی عدالت میں ایک کیس۔
- زندہ کی موت: ادھار لینے اور دینے کا قصہ۔
- نیل کی دلہن: آپ کے پسندیدہ ترین سفرنامے کی قسط۔
- سائبان: قیمتی چیزیں اٹھا کر پھینک دینے والوں کی کہانی۔
- ہاسٹل: ان کے لیے جو صرف مزاحیہ کہانیاں پسند کرتے ہیں۔
- معمہ: ایک ماہر سائنس دان کی کہانی... جو راز کو نہ پاسکا۔
- معصوم امنگیں: ننھے منے بچوں کی شرارتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔
- نیوز چینل: حسب روایت۔
- دادا ابو: معاشرے کا ایک جیتا جاگتا بے مثال کردار۔
- آزادی کی قیمت: آزادی قربانیوں کے بغیر بھلا کب ملتی ہے۔
- تصویر کی دھمکی: قسط وار ناول کی آخری قسط۔

ان کے علاوہ مستقل سلسلے:

قرآن وحدیث ○ واقعات صحابہ کے قدم بہ قدم ○ آئنے سامنے ○ مسکراہٹ کے پھول اور دوباتیں۔

نوٹ: خاص شمارے میں ان تمام کہانیوں اور مضامین کے شامل ہونے کا امکان ہے، لیکن اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ دو تین کہانیاں شامل ہونے سے رہ جائیں۔

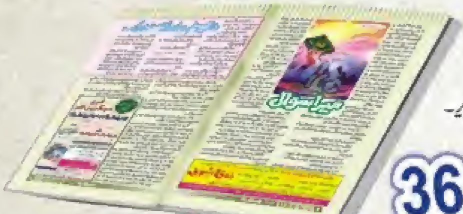

صفحات: 36

بات سے بات

اعتدال: ہر عمل میں اعتدال رکھیے۔ جو چیز آپ کو اچھی نہیں لگتی، ہوسکتا ہے، کبھی اچھی لگنے لگے۔ گرمیوں میں دھوپ آپ کو "زہر" لگتی ہے۔ آپ اس سے دور بھاگتے ہیں اور سردیوں میں آپ اسے ڈھونڈتے ہیں۔

دشمنی میں بھی اعتدال رکھیے اور دوستی میں بھی! ہوسکتا ہے، کبھی دشمنی دوستی ہوجائے اور دوستی دشمنی۔

عبداللطیف قاسم چلاسی ۔ گوجرانوالہ

خوشی: خوشیوں پہ زیادہ بھروسہ نہ کرو۔ یہ تو غموں کی ایجنٹ ہیں۔ چند لمحوں کے لیے آتی ہیں اور پھر غموں کو اپنی جگہ دے کر چلی جاتی ہیں۔

راز: راز جس نے چھپالیا، خود کو اس نے بچا لیا۔ سکون جو چھپانے میں ہے، وہ کہاں ظاہر کرنے میں ہے؟ کسان وہی خوش حال ہوتا ہے جو بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔

پبلسٹی ایجنٹ: آپ ترقی کی طرف جا رہے ہیں اور آپ کا کوئی دشمن نہیں تو پھر ترقی مشکوک ہے۔ اگر دشمن ہیں تو فکر نہ کریں۔ یہ آپ کے پبلسٹی ایجنٹ ہیں۔ شاہراہِ ترقی پر چلتے ہوئے کوئی گالی دے گا، کوئی عزت دے گا، ہمت نہ ہارو، جس کے پاس جو کچھ ہوگا، وہی وہ دے گا، تم چلتے جاؤ۔

ڈینگ: پھلدار درخت کبھی بھی پکار پکار کر نہیں کہتا، میں پھلدار ہوں، میں پھلدار ہوں، دوسرے کہتے ہیں، یہ پھلدار ہے، پھلدار ہے۔ بس پھلدار درخت کی ایک علامت ہے۔ اس کی ٹہنیاں جھکی ہوتی ہیں۔ جتنا پھل، اتنا جھکاؤ (عاجزی) جتنی عاجزی، اتنا پھل، جب تیز آندھی چلتی ہے تو پھلدار درخت خاموش ہوتے ہیں اور دوسرے درخت "شاں شاں" کر رہے ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا، تھوتھا چنا باجے گھنا۔

عشق: دھواں زیادہ اُٹھ رہا ہو تو آگ کم ہوتی ہے۔ آگ ہو تو دھواں نہیں ہوتا۔ دل میں عشق کی آگ ہو تو شور کم کرتا ہے۔ اگر عاشق شور کرتا ہے تو سمجھ لو، عشق کی آگ موجزن نہیں۔ نمک کا پتھر اور ایک سفید پتھر دریا میں گر گئے۔ سفید پتھر نے واویلا شروع کر دیا۔ "پکڑو! میں گھر گیا! اوہ میں گھر گیا۔"

نمک کہنے لگا "چپ! کمینے! دیکھ جنھیں گھرنا ہوتا ہے، خاموشی سے گھر جاتے ہیں۔"

پتھر تہہ میں بیٹھ گیا اور نمک گھر گیا۔

عالم ہیں

کالجوں میں روز جھگڑے عام ہیں
مدرسے تو مفت میں بدنام ہیں

مدرسہ بن کیا تصور دین کا
مدرسے تو قلعۂ اسلام ہیں

مدرسوں میں ہے ادب استاد کا
سب مدرس قابلِ اکرام ہیں

زندہ کر دیتے ہیں اک عالم کو وہ
جو ثنائے علم صبح و شام ہیں

یہ مساجد یہ مدارس خانقاہ
حق تعالیٰ کا بڑا انعام ہیں

ہیں وہی مخدوم دنیائے دیں
جو خدا کے دین کے خدام ہیں

جب سے مفسد سے ہوئی ہے دوستی
ہم قیامِ امن میں ناکام ہیں

عقل کی قلت ہے ان میں بالیقیں
جو اثرؔ ناواقفِ انجام ہیں

اثر جونپوری

بقیہ: نقصان کا تجربہ

محلے کی دکان سے لیتا ہوں۔" انھوں نے تسلی سے جواب دیا۔

"لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آرہی، ہمیں بچت اور اپنا فائدہ سب سے پہلے دیکھنا چاہیے... آپ تو اس معاملے میں لاپروائی سے کام لے رہے ہیں۔" اعجاز صاحب بولے۔

"لاپروا میں نہیں ہوں... آپ ہیں۔" وہ اطمینان سے بولے۔

"بھئی کیسے؟ آپ کا فلسفہ ہماری ہمیں سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"بھئی دیکھو... آپ ہر مہینے بارہ ہزار کا سودا لیتے ہیں، الیاس صاحب 15 ہزار کا سودا لیتے ہیں، ہمارے محلے کے شاگرد صاحب کا گھرانہ خاصا بڑا ہے... وہ 30 سے 35 ہزار کا راشن لیتے ہیں... میں بھی 30 سے 35 ہزار کا راشن لیتا ہوں... اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو ہزاروں روپے کی مہینا بھر میں خریداری کرتے ہیں... ایسا ہے یا نہیں۔"

"بالکل ایسا ہی ہے... بلکہ اس سے بڑھ کر ہے... لیکن آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" سب کی حیرت آنکھوں کے راستے پیشانی پر آگئی تھی۔

"بات یہ ہے کہ۔" انھوں نے سب کی طرف دیکھا، سب متوجہ تھے، بولے۔ "یہ ہم اتنے پیسے سپر اسٹور والوں کو، سپر مارکیٹ والوں کو دے آتے ہیں۔ کیا یہ سپر اسٹور والے ہمارے رشتہ دار ہیں۔ یہی مال ہم چند روپے مہنگا اپنے محلے کے بازار سے کیوں نہیں لیتے۔ یہ تو ہمارے ہمسائے ہیں، ان دکان داروں کا ہم پر حق ہے کہ یہ نہ صرف دکان چلا رہے ہیں، بلکہ ہمارے محلے کا حصہ ہیں۔ ان کی یہ دکان بھی ہمارے محلے کا حصہ ہے۔ اگر چند سکے اور چند نوٹ زیادہ چلے گئے تو کیا ہوا، میرے محلے دار کا، میرے ہمسائے کا ہی پیٹ بھرے گا، ورنہ کبھی ایمرجنسی میں اُن سے لے لیا تو ان بے چاروں کو ہم سے کیا فائدہ۔" سب کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ انھیں بہت اہم بات معلوم ہوئی تھی، وہ پھر بولے:

"میں اکرام بھائی سے مہینے بھر کا سودا لیتا ہوں، جو ہمارے محلے میں ایک جنرل اسٹور چلا رہے۔ وہ دل کے مریض ہیں۔ میں ہر ماہ جب 35 کے بجائے 36 ہزار یا 37 ہزار کا سودا لیتا ہوں تو ان کے چہرے پر خوشی کے آثار ہوتے ہیں۔ اس خوشی کے سامنے ایک ہزار کا نقصان کوئی نقصان محسوس نہیں ہوتا۔"

"ہم اس نقصان کا تجربہ ضرور کریں گے۔" الیاس صاحب جوش سے بولے۔

"بھئی تم یہ تجربہ نہ کرنا۔"

"کیوں؟"

"دراصل... اکرام بھائی کی دکان میں غبارے نہیں ہوتے، تمہارا پیٹ دیکھ کر بچے غبارے مانگنے لگ جائیں گے... اکرام بھائی کے لیے مصیبت ہوجائے گی۔" سب لوگ ہنسنے لگے، جس میں الیاس صاحب کا قہقہہ نمایاں تھا۔ انھیں اس محبت بھری نصیحت نے بڑی اہم راہ دکھائی تھی۔ ایک نئے فیصلے کے ساتھ وہ آج اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ یہ فیصلہ انھیں بہت اچھا لگا تھا، کیونکہ یہ فیصلہ خود غرضی کے بجائے، محبت کا بنا ہوا فیصلہ تھا۔

آمنے سامنے

☆ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: چھٹی جماعت میں پڑھتی ہوں۔ بچوں کا اسلام بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ کسی بھی رسالے میں میرا پہلا خط ہے۔ امید ہے، شائع کریں گے۔ بچوں کا اسلام سے ہماری اردو کافی حد تک بہتر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بچوں کا اسلام کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔ مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ آٹوگراف کے لیے جوابی لفافہ ارسال ہے۔ (بنتِ محمد احسن زمان۔ وزیر آباد)

ج: خوشی ہوئی، آٹوگراف حاضر ہیں۔

☆ بچوں کا اسلام سے میری زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں ٹخنوں کا ننگا رکھنا ہے اور گانے نہ سننا ہے۔ یہ اس دور میں بہت بڑی نعمت ہے۔ میری اس تبدیلی میں بچوں کا اسلام کا بہت ہاتھ ہے۔ دوسرے نمبر پر تبلیغی جماعت کا ہاتھ ہے۔ (محمد عکراس عاصم۔ خوشاب)

☆ مجھے بچوں کا اسلام کے پرانے شمارے چاہئیں۔ کیا بچوں کا اسلام کے دفتر سے مل جائیں گے۔ مہربانی فرما کر ان صاحب کا فون نمبر لکھ دیں۔ (محمد مزمل۔ بلدیہ ٹاؤن کراچی)

ج: جی ہاں! مولانا محمد کاشف 03213557807۔

☆ مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ ابو جہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا یا نہیں۔ میرے سکول کے استاد یہی کہتے ہیں جب کہ میں ان کی بات ماننے پر تیار نہیں ہوں۔ آپ میری الجھن دور فرما دیں۔ (محمد اسد ارشد۔ لاہور)

ج: آپ کے استادِ محترم ٹھیک کہتے ہیں۔

☆ بچوں کا اسلام نہایت خوش اسلوبی سے دین کو عام فہم بنا کر پیش کر رہا ہے۔ بہت فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ دو باتیں میں آپ خوب صورت موضوع کو اپناتے ہیں۔ آپ کے ناول شمارے کی جان محسوس ہوتے ہیں۔ انکل مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ میری تحریر سے آپ کیا اندازہ لگا پائے ہیں، یعنی اس خط سے۔ (اقرا صدیقہ۔ میانوالی)

ج: آپ کا پورا خط پڑھا۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ لکھ سکتی ہیں۔

☆ آج کل آپ شمارہ تیار کرنے میں بہت محنت کر رہے ہیں۔ ہمیں رسالے میں زیادہ کہانیاں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ آمنے سامنے میں تو گویا آپ ساری سخاوت ختم کر دیتے ہیں۔ سخاوت ہو تو ایسی جو دوسروں کو خوشی دے سکے۔ (بنتِ عباس۔ کلر والی پل)

ج: حیرت ہے، آمنے سامنے میں بھی سخاوت تلاش کر لی۔

☆ بچوں کا اسلام کا مستقل قاری ہوں۔ اثر جون پوری کی شخصیت کے بارے میں اپنے خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے میں اثر صاحب کو ایک بچوں کا شاعر خیال کرتا تھا مگر ضربِ مومن میں ان کی ایک نظم دیکھ کر معلوم ہوا کہ کتنے پائے کے شاعر ہیں۔ میں ان کی شاعری کی عظمت کا اعتراف کرتا ہوں۔ (محمد سہیل الرحمٰن سہیل۔ مظفر گڑھ)

ج: اثر جون پوری صاحب واقعی بہت بڑے اسلامی شاعر ہیں بلکہ شاعرِ اسلام ہیں، نہ صرف بچوں کے بلکہ بڑوں کے بھی۔ ضربِ مومن اور روزنامہ اسلام میں حاصل تمنائی کی نظمیں بھی دراصل انھی کی ہوتی ہیں اور شاہین اقبال کے نام سے بھی لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

☆ بچوں کا اسلام کے بارے میں مجھے میری سہیلی ہانیہ محبوب نے بتایا، اس کے سبھی سلسلے بہترین ہیں۔ میرا سب سے پسندیدہ سلسلہ جسے پڑھنے کے لیے میں بے تاب ہو جاتی ہوں، وہ کوئی نہیں ہے۔ نیوز چینل نے تو کمال کر دیا۔ پڑھنے کو دل ہی نہیں کرتا، سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ ویسے یہ بتائیں، آپ کو بات سے بات نکالنے کا فن کس نے سکھا دیا۔ آپ کی دو باتیں پڑھ کر چکرا جاتے ہیں۔ مہربانی فرما کر میری باتوں کا بُرا ضرور مانیے گا۔
(محمودہ جواد۔ اسلام آباد)

ج: جی اچھا!

☆ دس سال سے زیادہ عرصہ ہو چلا ہے، سرور مجذوب ابھی تک ایک معمہ بنے ہوئے ہیں انٹرویو کے باوجود۔ قارئین کی اکثریت اس معمے کو حل نہیں کر سکی۔ یہ مدیر کا قلمی نام ہے یا کوئی اور شخصیت، لیکن جب سے سرور مجذوب پر بات شروع ہوئی ہے، اس وقت سے یعنی تقریباً دو سال سے ہمارے پاس اتنے ثبوت جمع ہو چکے ہیں جن سے ان کی اصلیت منظر عام پر لائی جا سکتی ہے۔ ڈر ہے تو اس بات کا کہ دادا جان شائع بھی کریں گے یا نہیں۔ اگر دادا جان شائع کرنے کی یقین دہانی کرا دیں تو ہم ارسال کرنے کے لیے تیار ہیں۔
(صبغت اللہ قاسم قیصرانی۔ جامعہ خیر المدارس ملتان)

ج: آپ نے اس سلسلے میں تقریباً 18 صفحات کا (فل سکیپ) مضمون ارسال کیا تھا، میں نے آپ کو فون کیا تھا کہ اتنا طویل مضمون اس موضوع پر کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ ہاں دو چار صفحات کا ہو جاتا تو شائع کیا جا سکتا تھا۔ میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اسے مختصر کر دیں اور زیادہ سے زیادہ چھ صفحات کا کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے مختصر کر کے ارسال کیا تو وہ بھی 8 صفحات کا ہے۔ اب اگر اس خط کو میں مختصر کرتا ہوں تو یہ الزام عاید کیا جائے گا کہ میں نے اصل ثبوت کاٹ دیے ہیں۔ اب بتائیں کیا کیا جائے۔ میں تو شائع کرنے کے لیے تیار ہوں۔

☆ بچوں کا اسلام کا کافی پرانا قاری ہوں۔ ایک بار آپ سے جھنگ میں ملاقات کی تھی۔ میرے ساتھ میرے جھنگ کے دو عزیز بھی تھے۔ ہم ڈرتے ڈرتے آپ کے گھر پہنچے تھے۔ خطرہ تھا کہ کہیں آپ ملاقات سے انکار ہی نہ کر دیں، لیکن جب آپ ملے تو تمام خدشات دور ہو گئے۔ آپ سے پوچھنا یہ تھا کہ سائنسی مضامین بھیج سکتا ہوں۔ (اختر حسنین مغل۔ دریا خان)

ج: نیکی اور پوچھ پوچھ؟

☆ بچوں کا اسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جو چشمۂ ہدایت جاری فرمایا ہے، اس سے بہت سے لوگ ہدایت پا چکے ہیں اور پا رہے ہیں۔ ادبی لحاظ سے یہ "اصل" کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں بہت سے احباب کو اس سے منسلک کر چکا ہوں۔ جو بھی ایک مرتبہ اسے پڑھ لیتا ہے، یہی کہتا ہے کہ یہ رسالہ مجھے بھی جاری کروا دیں۔ اس کی بھلا کیا صورت ہے تا کہ ان کی رہنمائی کر دیا کروں۔ چند تحریریں ارسال ہیں۔ (محمد عثمان حبیب۔ کہروڑ پکا)

ج: ایسے حضرات کے لیے لکھے دیتا ہوں۔ مولانا محمد کاشف صاحب سے رابطہ کریں۔ ان کا موبائل نمبر 03213557807۔

☆ شمارہ 587 اور 588 میں آپ نے بچوں کا اسلام کی مال داری کا ذکر کیا ہے۔ واقعی بچوں کا اسلام ہر لحاظ سے مالا مال ہے۔ اتنا مال دار شاید کوئی دوسرا رسالہ نہ ہو۔ ایک مال داری البتہ یہ بھی ہے کہ اس کے پاس ردی کی بالٹی بھی ہے۔ اگر کوئی کہانی، خط یا مضمون شائع کرنے سے بچوں کا اسلام کے وقار میں کمی یا کوئی اور نقصان ہو تو یہ ان کو ہضم کر جاتی ہے۔ ہوئی نا یہ بھی ایک مال داری، لیکن کچھ قارئین کو اس سے شکایت رہتی ہے کہ یہ مال دار کہانیاں ہضم کر لیتی ہے، تو میری ان سے گزارش ہے کہ اپنی تحریروں میں ایسی چیز شامل کریں کہ ردی کی بالٹی انھیں ہضم ہی نہ کر سکے۔ (عبداللہ۔ مانسہرہ)

آٹھ سالہ بچے کا جذبۂ ایمان

کابل کے نواح میں واقع ایک بستی پر روسیوں نے حملہ کیا۔ ایک گھر میں گھسے اور گھر میں موجود مردوں اور عورتوں کو قتل کرنا شروع کیا۔

ایک آٹھ سالہ بچہ ڈر کی وجہ سے چارپائی کے نیچے چھپ گیا۔ اس نے اپنے ماں باپ کو قتل ہوتے دیکھا۔ دیگر بہن بھائیوں کو خون میں نہاتے دیکھا، لیکن خاموش سہما پڑا رہا۔ روسی درندے جب اپنے خیال میں گھر کے تمام افراد کا خون کر چکے تو وہ اپنی خبیث عادت کے مطابق قرآن پاک کی طرف بے حرمتی کے لیے بڑھے۔ جیسے ہی انھوں نے قرآن کو ہاتھ لگایا، افغانی بچہ یہ منظر برداشت نہ کر سکا اور زور سے چیخ مار کر بجلی کی طرح روسی پر جھپٹ پڑا اور قرآن ان سے چھین لیا۔

روسی افسر نے کہا:

"جس قوم کے آٹھ سالہ بچے کو اپنے قرآن سے ایسی محبت ہو، ہم اس قوم کو شکست نہیں دے سکتے۔"

نفیسہ حبیب، محمد عبدالرحمٰن مظہر سرگانہ۔ باگڑ سرگانہ

نقصان کا تجربہ

ف۔ ح۔ کراچی

''بھائی! آپ کہاں سے سودا لیتے ہیں۔''

''سعید سپر اسٹور سے لیتا ہوں۔''

''ہاں بھئی آپ کہاں سے لیتے ہیں۔'' الیاس صاحب نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔ دراصل وہ سب عام طور پر تبادلہ خیال کرتے تھے، جس سے انھیں فائدے کی چیز معلوم ہو جاتی تھی۔

''میں بھی سعید سپر اسٹور سے لاتا ہوں۔'' ظفر صاحب نے جواب دیا۔

''ہاں میں بھی وہیں سے لاتا ہوں، ہر چیز پر ریٹ لکھا ہوتا ہے، کوئی دھوکا نہیں ہوتا۔ سکون سے چیز ملتی ہے، دھوکے بازی سے بچ جاتا ہوں۔'' اعجاز صاحب نے اپنے تاثرات دے دیے۔

''میں ایک بار پیر بازار گیا تھا۔'' ثروت صاحب بھی بول پڑے تو سب ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''پلیٹیں دیکھیں! قیمت معلوم کی تو 450 روپے بتائی، بڑی مشکل سے 300 میں لے کر آیا، لیکن ایک بار سعید سپر اسٹور گیا تو وہی پلیٹیں، 155 روپے قیمت ان کے اوپر درج تھی۔'' ثروت صاحب بول کر چپ ہی ہوئے تھے کہ اعجاز صاحب کی آواز آئی۔

''بھائی بہت فرق ہوتا ہے، بہتر ہے، بندہ چپ کر کے جائے، اپنا سامان لے کر آئے جائے۔ میں تو پورے مہینے کا سودا گھی چاول، آٹا، تیل دالیں اور دوسرا سامان ایک ہی دفعہ لے آتا ہوں، کچن چل جاتا ہے، آرام سے دس، بارہ ہزار کا بجٹ ہوتا ہے۔''

''تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔'' الیاس صاحب پھر سے بول پڑے۔ ''میں اپنے گھر کا بجٹ بنا ہی نہیں پا رہا تھا۔ آخر یہاں اس اسٹور میں جانا شروع کیا، مہینے کا سودا اکٹھا لے آتا ہوں۔''

''اکٹھا لانے میں برکت بھی ہوتی ہے۔'' ثروت صاحب نے لقمہ دیا اور الیاس صاحب نے اپنی بات جاری رکھی۔

''پہلے میرے گھر کا بجٹ بیس سے پچیس ہزار روپے تھا، اب یہ پندرہ ہزار پر آ کر رک گیا ہے اور مجھے بہت سکون ہے۔'' الیاس صاحب نے اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ ثروت صاحب بول پڑے۔

''کبھی امتیاز سپر مارکیٹ گئے ہیں، آپ؟''

''وہ سستا تو ہے مگر ایک تو دور ہے، دوسرا رش بہت ہوتا ہے، اس لیے وہاں جانے سے دل گھبراتا ہے۔''

''بھئی کیا باتیں چل رہی ہیں۔'' ان کو دور سے امتیاز صاحب آتے ہوئے نظر آئے۔

''آؤ بادشاہو!'' ان کو دیکھتے ہی سب مسکرا دیے۔

''اپنی عزیز رعایا کو ہم سلام پیش کرتے ہیں۔''

''ہم بھی آپ کو جواب میں 21 توپوں کی سلامی پیش کرتے ہیں۔'' الیاس صاحب مسکرا کر بولے۔

''21 توپوں کے بجائے، اس ایک ٹینک کی سلامی پیش کر دو تو کافی ہے۔'' انھوں نے الیاس صاحب کے ابھرے ہوئے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ سب مسکرا دیے۔

''ہم آپس میں بات کر رہے تھے کہ ہم لوگ اپنے پورے مہینے کا سودا کہاں سے لیتے ہیں۔ تو آپ بھی بتائیں کہ آپ کہاں سے سودا لیتے ہیں۔'' اعجاز صاحب اصل بات پر آ گئے۔

''ہاں بھئی یہ بہت ہی اہم بات ہے۔'' انھوں نے اس بات کو سنتے ہی خوشی کا اظہار کیا۔

''پروفیسر صاحب! اب لیکچر شروع نہیں کرنا، سیدھی سیدھی بات کرنا۔'' الیاس صاحب نے پھر چوٹ لگائی۔

''ارے بھائی، یہ بتاؤ تمہارے جسم کی کوئی رگ، کوئی ہڈی، کوئی پسلی بالکل سیدھی ہے؟ نہیں ہے ا تو بات کیسے سیدھی نکلے گی۔ اگر نکلے گی تو بھی تو آپ کے کوہان والے پیٹ کی طرح نکلے گی۔'' یہ سن کر سب کے قہقہے بلند ہو گئے۔ امتیاز صاحب نے ایک بار پھر الیاس صاحب کی چوٹ کو لاجواب جواب دیا تھا۔

''آپ کا انتخاب ہمیشہ ہی لاجواب ہوتا ہے، اس لیے آپ سے پوچھا ہے۔'' اعجاز صاحب نے پھر بات کو واپس لایا۔

''ہاں بھئی! کراچی میں کیا، ہمارے ملک میں بھی کیا، ساری دنیا میں خریداری کے لیے بڑے بڑے شاپنگ پلازے بنے ہوئے ہیں۔ کہیں میکرو (Mekro) ہے کہیں میٹرو (Metro) اور بڑی بڑی سپر مارکیٹیں ہیں، جہاں پر سوئی سے لے کر گاڑیاں تک ملتی ہیں اور سپر مارکیٹیں کچھ دام بھی کم لگاتی ہیں۔ اسی طرح سپر اسٹوروں کی تو بھرمار ہے۔''

''یار پھر سے لیکچر شروع۔'' الیاس صاحب نے پھر ٹوکا۔

''لیکچر نہ سننے کی وجہ سے تو ہر کلاس میں فیل ہوتے رہے ہو، اب بھی اس سے کنی کترا رہے ہو۔'' اس بار اعجاز صاحب نے الیاس صاحب کے اعتراض کو کک لگائی۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ایسی بہت سی جگہیں ہیں جہاں سے آدمی خریداری کر سکتا ہے... مجھے بھی جب کوئی ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو میں بھی بھی ایسی مارکیٹوں میں جاتا ہوں مگر اس وقت جب مجبور ہو جاؤں۔'' وہ کچھ دیر کو رکے، دیکھا کہ سب ان کی بات کو غور سے سن رہے ہیں۔

''لیکن گھریلو سامان مثلاً آٹا، چینی، دال، گھی، تیل چاول وغیرہ میں اپنے محلے کی دکانوں سے لیتا ہوں۔''

''کیا؟'' سب ایک دم چلا اٹھے، کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ امتیاز صاحب کے خاندان کے افراد 20 سے زیادہ تھے۔

''اس طرح تو آپ کو بہت مہنگا پڑتا ہوگا۔''

''ہاں مہنگا ضرور پڑتا ہے... تقریباً ہزار ڈیڑھ ہزار کا فرق ہوتا ہے... مگر۔''

''آپ سعید سپر اسٹور کیوں نہیں جاتے۔'' اس بار الیاس صاحب سنجیدگی سے بولے۔

''میں سعید سپر اسٹور جاتا ہوں، مگر وہ چیزیں لینے کے لیے جاتا ہوں جو ہمارے محلے کی دکانوں سے نہیں ملتیں، ورنہ سب چیزیں اپنے (باقی صفحہ 14 پر)

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین

The TRUTH

Subscription Charges

Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)

Bank Account → The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268
Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi

کراچی : 0334-3372304 | حیدر آباد: 0300-3037026
لاہور : 0300-4284430 | سرگودھا : 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد : 0333-4365150 | راولپنڈی : 0321-5352745 | ملتان: 0305-8425669
پشاور : 0314-9007293 | کوئٹہ : 0321-8045069

پرانے شمارے بھی منگوائے جاسکتے ہیں

سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ
ڈی ارتھ 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052, 021-36881355

www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com